حرفِ دُعا

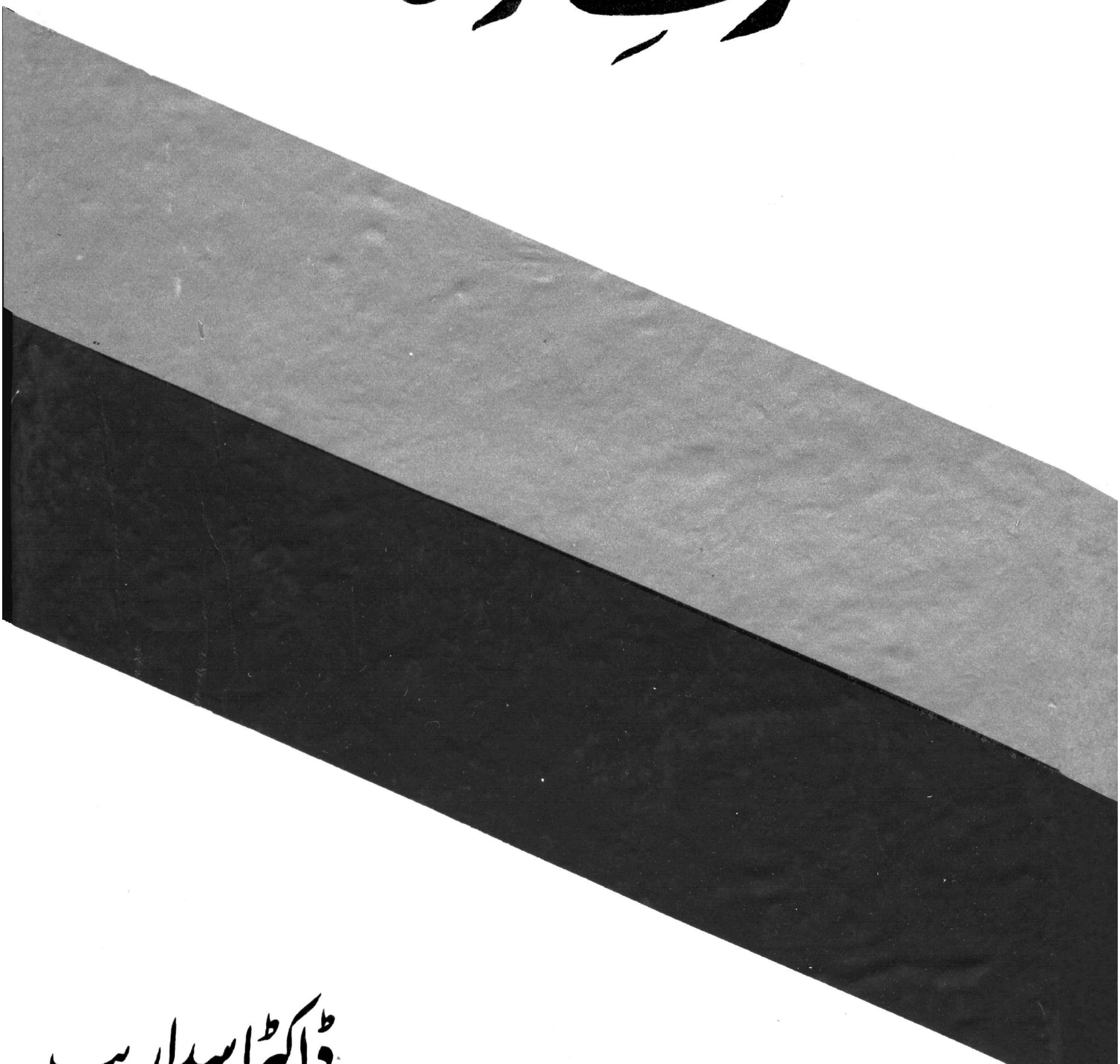

ڈاکٹر اسد اریب

حرفِ دُعا

ڈاکٹر اسد اریب

اس کتاب کے مضامین :

حرف دعا	: مقدمہ کتاب	۷
حقیقت دعا	: دعا کی حکمت پر مباحث	۱۰
واقعات دعا	: ان قرآنی دعاؤں کی تفصیل جو طلب حاجات کا موثر ذریعہ ہیں	۳۸
ادائے شکر	: دعا اور شکر کے باہمی تعلق اور شکر کی اہمیت کا بیان	۶۵
تعلیقات	: جن امور میں دعا نہ کرنی چاہیئے	۸۷
	ادعیہ ماثورہ، ادعیۃ القرآن	۸۹
	استخارہ	۹۰
	تسبیح	۹۱
	تسبیح فاطمہ	۹۲
	مسئلہ بدا	۹۳

اس کتاب میں حاجت بر آری کے لئے جن دعاؤں کا ذکر کیا گیا

خطا، لغزش اور گناہ کی معافی کے لئے

محنت پریشانی، مشکل اور بیماری سے نجات کے لئے

والدین کی بخشش کے لئے

جامع دین و دنیا دعا : زراعت تجارت، ملازمت کے نقصانات سے بچنے کے لئے

اولاد کی خواہش کے لئے

بیٹوں کو رخصت سفر کے وقت حفظ و امان کے لئے

منزل تک بہ سلامتی پہنچنے کے لئے

مخالفوں کے درمیان گھر جانے پر اپنی حفاظت و سلامتی کے لئے

وسعت رزق کے لئے

مقدمے میں ہدایت اور فتح کے لئے

کسی حاکم کے پاس جاتے وقت' کامیابی کے لئے

حالت جنگ میں استقامت اور سربلندی کے لئے

سوار ہوتے وقت' سفر سے بہ سلامت واپسی کے لئے

زیغ : یعنی دین کے معاملات میں عقلی و علمی وسوسوں اور متشابہات سے محفوظ رہنے کے لئے

درود' تسبیح فاطمہ' استخارہ' خیر و برکت کے حصول کے لئے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدمہ

حرفِ دعا :

دعا اطمینان قلب کا ایسا راستہ ہے جو نہ کہیں ختم ہوتا ہے نہ کہیں بند۔ یہ ایک ایسا حق ہے جو ہر نفس بشر کو عطا کیا گیا ہے۔ یہ ایک ایسی عبادت ہے جس کے لئے نہ وضو کی شرط ہے، نہ لباس اور مقام کی، نہ لہجے اور زبان کی۔ یہ ایک ایسی نفیس و نازک اور لطیف روشنی ہے جس کو مقید کرنے کے لئے لب اور لفظ کی بھی حاجت نہیں، دل کی پر اسرار اور خاموش زبان ہی (جس کے لئے لبوں کا ہلنا بھی لازم نہیں) اس کے لئے کافی ہے۔ دعا ایک ایسا ہتھیار ہے جو ہر صورت میں، ہر وقت ہمارے پاس رہ سکتا ہے، جو مشکل سے مشکل مقابلے میں بھی بہ سہولت چل سکتا ہے۔ اس کے لئے نہ نیام کی ضرورت ہے، نہ غلاف کی، البتہ اس کی دھار کو صیقل رکھنا ہوگا۔ اس کا صیقل ہونا بس یہ ہے کہ اسے گرمی قلب کی آنچ برابر ملتی رہے اور یقین کبریائی کی سان سے یہ ہٹنے نہ پائے۔ رب جلیل کی قوت و عظمت پر کامل اعتماد کرتے رہنا ہی اس شمشیر کی جلا ہے۔

جب کوئی شخص یہ کہتا ہے: "دعا قبول نہیں ہوئی۔" میں اس بات کو انتہائی بے یقینی کے ساتھ سنتا ہوں۔ کیونکہ میرا اعتقاد یہ ہے کہ دعا قبول ہو کے رہے گی اور شکر صلہ دے کے رہے گا بشرطیکہ دعا، دعا کی طرح ہو، اور شکر، شکر کے مانند۔ ایک وقت آتا ہے کہ دعا یقیناً حکم الٰہی بن جاتی ہے الا کہ معدودے چند حالتوں میں اس کا قبول نہ ہونا، قضا و قدر سے مشروط یا مخصوص کر دیا گیا ہو۔ لہٰذا میں نے اس رسالے میں قبول دعا اور ادائے شکر کے وہ تمام ضابطے لکھ دئے ہیں جو مجھے اہل عرفان کے تجربوں اور نیک نفوس کی روحانی

ہدایتوں سے حاصل ہوئے ہیں۔ کیونکہ میں یقین رکھتا ہوں کہ دعا قبول ہوگی اور شکر اپنا صلہ ضرور دے گا۔

اس رسالے کا امتیاز یہ ہے کہ اسے دعا اور شکر کے عام رواجی طریقوں سے قدرے مختلف انداز میں لکھا گیا ہے۔ اس میں صرف ان قرآنی دعاؤں کا انتخاب کیا گیا ہے جن کا انسان کی روزمرہ زندگی سے قریب تر تعلق ہے۔ اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ دعائیں' ان دعاؤں کے سوا اور نہیں۔ کلام الٰہی' احادیث نبی اور اولیائے دین کی سیرت' میں بہت سی دعائیں اور بھی متواتر ملتی ہیں۔ خاص طور پر ائمہ اہل بیت' حضرت امیرالمومنین علیؑ اور حضرت سید سجاد امام زین العابدین کی دعائیں ہماری روحانی و قلبی تسکین اور تطہیر نفس کا ایسا وافر سامان مہیا کرتی ہیں جس کی مثال بمشکل ہی کہیں مل سکے گی۔ بالخصوص وہ دعائیں جو صدہا برسوں سے کتاب در کتاب لکھی چلی آتی ہیں اور ائمہ کرام سے مروی ہیں' جن کے اعتبار پہ بہت سی اسناد بھی حاصل ہیں۔ جن میں سے چند کے نام یہ ہیں:

دعائے کسا (حدیث کساء) نور' کمیل' ندبہ' توسل' عدیلہ' سحر معروف' صباح' مشلول' من اظہرالجمیل وغیرہ۔

البتہ میں نے یہاں صرف ان چند قرآنی دعاؤں کو منتخب کیا ہے جن کے قبول کی سند اور طریق عمل پر خود قرآن مجید نے بھی گواہی دی ہے اور یہ کہ یہاں نہ صرف ان روزمرہ ضرورت والی دعاؤں کا محل طلب ہی واضح کیا ہے بلکہ ہر دعا کے ان حکیمانہ نکات کی تشریح بھی کر دی ہے' جسے ان دعاؤں کی تعلیم کا اصل تقاضا سمجھنا چاہئے۔

میرے نزدیک دعا اور شکر میں بڑا گہرا رشتہ ہے۔ دعا کی تاثیر' شکر

سے مربوط ہے اور شکر کا صلہ قبول دعا میں مضمر ہے۔ لہٰذا اس رسالے میں طریق دعا کے ساتھ ساتھ ادائے شکر کے ان تمام غیر معروف، مگر روحانیوں کے آزمودہ، دلنشیں طریقوں کی نشان دہی بھی کر دی گئی ہے جو برتراز عموم، اور ماورائے نظر ہیں۔ لیکن یہ روحانی تصرفات کی ایک ایسی لہر ہے جسے عبدیت کی لطیف ترین حسیات کے ذریعے ہی محسوس کیا جا سکتا ہے۔ مجھے یقین ہے واردات قلب سے متاثر ہونے والے لوگ جن کے پاس عقل منیر، سوزش قلب اور دل گداختہ ہے، اس رسالے کے ذریعے اپنا مقصد ضرور پالیں گے۔

(ڈاکٹر اسد اریب)

حقیقت دعا :

ہماری یہ زندگی دراصل خواہشوں اور خیالوں کی دنیا ہے۔ البتہ انہی خواہشوں اور خیالوں کے انبار میں چھپی ہوئی بہت سی ضروری حاجتیں بھی ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ وہ بہرحال پوری ہو کر رہیں۔ مجھے کامل یقین ہے کہ اگر ان حاجتوں کے حاصل کرنے کی باضابطہ کوشش کی جائے' مادی اور دنیوی ذرائع کے ساتھ ساتھ ان کے حصول کے لئے روحانی' قلبی اور مابعد الطبعیاتی طریقے بھی درست طور پر آزمائے جائیں تو یہ کچھ مشکل نہیں کہ وہ حاجتیں پوری نہ ہوں۔ الا کہ معدود چند ان میں سے ایسی ہوں جن کا پورا نہ ہونا قضا و قدر کے تحت مخصوص کر دیا ہو۔ لہٰذا ہمیں مایوس و پریشان ہونے کی بجائے ضرورت کی تکمیل اور خواہش کی تدبیر کے لئے دعا اور دوا سے ہردم وابستہ رہنا چاہئے۔

البتہ اس معاملے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ یقین کرنا ہو گا کہ خداوند عالم اپنے وعدے سے پھرتا نہیں اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ اور جاننا ہو گا کہ وہ ہمارا پروردگار ہر بات محکم کہنے والا' اپنے ارادوں پر کامل مختار اور خلاق کون و مکان ہے۔ اس ذات بابرکات نے جو کچھ اور جس طرح ہونے کی خبر دی ہے' وہ وہی ہو کر رہے گا اور اس کا ہر کہا بالکل حق ہے۔ مثلاً وہ بار بار اپنے بندوں کو یقین دلاتا ہے کہ مجھے اس طرح پکارو!

"تو سنتا ہے۔" "سننے والا اور جاننے والا ہے۔" اور "دعا کو ضرور سنتا ہے۔" اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (البقرہ) پھر ترغیب دیتا ہے: "تم مجھے پکارو' پکار کے دیکھو' میں ضرور سنوں گا۔ چاہے آہستہ آہستہ چپکے سے' چاہے زور زور سے اعلانیہ' مگر حد سے تجاوز نہ کرنا۔"

اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَۃً اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ اور فرماتا

ہے:

فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (البقرہ) "بلاشبہ میں نزدیک ہوں، پکارنے والے کے، ہر صدا پر لبیک کہتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارے۔"

انبیاء کرام نے اپنی دعاؤں کے قبول کے لئے بار بار اپنے معبود سے اس یقین کا اظہار کیا ہے کہ تو سمیع ہے۔ محل ضرورت اور خواہش کے اعتبار سے یہاں خدا کے سمیع ہونے کے معانی محض سماعت تک محدود نہیں، یہاں اپنے محل استعمال میں فی الاصل یہ لفظ قبول دعا کے معانی دیتا ہے۔ مثلاً یہ کہ جب تعمیر کعبہ ہو چکی تو باپ (ابراہیم علیہ السلام) بیٹے (اسماعیل علیہ السلام) نے دعا مانگی۔

"اے پاک پروردگار! ہماری نسل سے آئندہ ایک رسول اٹھا....." یہ دعا مانگ کر پھر کہا رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (البقرہ) "اے ہمارے رب! تو ہی سننے والا، جاننے والا ہے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کئی واقعات سے سماعت دعا اور قبول دعا کا راز کھلتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے وہ خواہش اولاد بڑی شدت سے کرتے تھے۔ چنانچہ اس بات کا نہایت عاجزی سے اقرار کرتے ہوئے کہتے ہیں

"جس نے بڑھاپے کے باوجود مجھے اسمٰعیل و اسحق دیئے، یقیناً میرا رب دعا کا سننے والا ہے۔" اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَاءِ (سورہ ابراہیم: ۳۹)

چنانچہ ہر طلب دعا کرنے والے شخص کو اپنے پروردگار کا یہ وعدہ اپنے ذہن میں نقش کر لینا چاہیئے کہ "میں ہر پکار کو سنتا ہوں اور جواب دیتا ہوں۔" "مجھ سے دعا کرو (مانگو) میں قبول کروں گا، میں جواب دوں گا۔"

وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المؤمن : ۶۰)

بندے کو اپنے پروردگار سے قریب تر کرنے اور اس سے ہر وقت‘ ہر حالت میں مدد مانگتے رہنے کی ایسی ہی دعوت‘ سورۃ البقرہ کی اس آیت سے بھی ملتی ہے جسے آیت الکرسی کا نام بھی دیا گیا ہے۔ اس آیت میں رب العزت کی خصوصاً اس صفت کو بیان کرنا کہ وہ ایسا معبود ہے جسے نہ کبھی اونگھ آتی ہے‘ نہ کبھی نیند اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دعا کا کوئی وقت مقرر اور مخصوص نہیں‘ جس وقت اور جب چاہے بندہ اپنے معبود سے اپنے لئے مدد مانگے کہ اس کا معبود اس کی پکار سننے کے لئے ہر وقت آمادہ ہے۔

یہ صفت جہاں رب العزت کے اختیار کو بلافصل اور متصلاً ثابت کرتی ہے وہاں اس بات پر بھی دلالت ہے کہ بندے کو اپنے پروردگار کی اس صفت کا یقین ہو کہ جس سے وہ طلب خیر کر رہا ہے‘ وہ حی و قیوم‘ ہر دم باقی و موجود ہے۔ نہ اسے نیند پکڑتی ہے نہ اسے اونگھ آتی ہے لہٰذا وہ اپنے بندے کی دعا ہر دم سنتا اور مستجاب کرتا ہے۔

مستجاب‘ لغت عام میں اس دعا اور پکار کو کہتے ہیں جس کا جواب اثبات (قبول) میں ہو۔ گویا ہمارے رب کا ہم سے یہ ایک پکا وعدہ ہے کہ تم نے پکارا تو مدد آ پہنچے گی۔ البتہ یہ بات الگ قابل بحث ہے کہ پکارنا کیا ہے‘ کیسے ہے‘ اور دعا‘ فی الاصل کیونکر کی جائے۔ بالکل صاف اور واضح بات اس معاملے میں یہ ہے کہ دعا خواہش قلب کی انتہا کا نام ہے۔ جب دل میں اک ہوک سی اٹھے‘ دل طلب دعا میں مچل مچل جائے۔ دعا کے ہر لفظ کے ساتھ دل باہر نکل آئے‘ خواہش کی طلب میں زبان سے زیادہ دل بولنے لگے تب دعا ہوگی۔ بندہ جب دعا کرے‘ تو اسے محسوس ہو جیسے اس کا وجود‘ دعا میں تحلیل ہو کر رہ گیا ہے۔

آنکھیں آنسوؤں میں نہا جائیں اور دل گرمیٔ طلب سے جل اٹھے۔ اس لذت طلب کا نام دعا ہے۔ اس طلب' اس آرزو کو کسی خاص مقام سے مخصوص و محدود نہ کر دیا جائے' نہ مصلے سے' نہ محراب عبادت سے' نہ وضو سے' نہ ملتزم سے' نہ مشہد سے' نہ حرم سے۔ دعا تو عبد و معبود کے درمیان سرّی اور قلبی تعلق کا ایک وسیلہ ہے۔ جس کے لئے نہ مقام کی قید ہے' نہ وقت کی۔ نہ زبان و بیان کی' نہ عقیدے اور مسلک کی۔ ہمیں جاننا ہو گا کہ ہر بندہ اللہ کا بندہ ہے' سب کا خالق و مالک وہی ایک پروردگار ہے' اسی نے سب کو پیدا کیا' وہ ہر شخص کو بلا تفریق مذہب و مسلک' رزق' اولاد' خوشی' کامیابی' حسن' علم' شجاعت' سب کچھ دیتا ہے۔ لہٰذا وہ سب کا رب ہے' البتہ یہ کہ جو اسے نہ مانے اور اس سے نہ مانگے یہ اور بات ہے لیکن جو اس سے مانگے' اور اس سے چاہے خواہ کوئی بھی ہو وہ اس کی سنتا ہے۔ ہاں مگر طلب میں اعتداء نہ ہو۔ اعتداء زیادتی اور ظلم کو کہتے ہیں۔ اعتداء یہ ہے کہ وہ چیزیں مانگیں اور وہ باتیں چاہیں جن باتوں کا چاہنا ہمارا حق اور ہماری ضرورت نہ ہو۔ ایسی خواہشیں ہوا و ہوس میں شمار ہوں گی۔ اسی اعتداء میں دوسروں کے لئے بلا سبب برا چاہنا بھی ہے۔ گویا اعتداء حد سے نکل جانے کا نام ہے۔ اگر طلب (دعا) میں زیادتی نہ ہو تو اس کا سنا جانا اور قبول ہونا یقین کے قریب تر سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ اس کے سوا دوسرا کون ہے جو اپنے بندوں کی دستگیری کر سکے۔ اس لئے یقین کرنا ہو گا کہ ہر مانگنے والے کی دعا خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو ضرور سنی جاتی ہے اس لئے یہ ضروری نہیں کہ دعا کی کوئی خاص زبان ہو یا کچھ مقرر لفظوں میں ہو یا ان مخصوص عبارتوں میں ہو جنہیں اللہ کے نیک بندوں اور شریعتوں نے عام کر دیا اور قبول دعا کے لئے یہ بھی لازم نہیں کہ وہ قرآن مجید' احادیث مبارکہ' ادعیہ اہل بیت یا

وظائف الابرار سے ہی ماخوذ ہو۔ دعا کا معاملہ تو خالق و مخلوق کے درمیان رابطے کا عمل ہے لہٰذا جب غیر مومن بھی اپنی خواہشوں کا اظہار اور آرزو کی طلب، اپنے خیالی خداؤں، اصنام، ارواح، دیوی دیوتاؤں سے کرتا ہے تو اس کی یہ خواہش بھی دراصل ہمارا ہی معبود حقیقی رد یا قبول کرتا ہے۔

طلب دعا کی اصل حقیقت، اقرار بندگی ہے۔ جب کوئی بندہ دعا کرتا ہے تو گویا وہ اپنے معبود کے روبرو اپنی عاجزی، بندگی اور بے بضاعتی کا اعلان کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیاء، اہل سلوک اور عرفاء نے تکمیل بندگی کے لئے دعا کو لازم کہا ہے۔

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ نماز (عبادت گزاری) کے فوراً بعد نعمت میں اضافہ کی خواہش کرنا اور طلب رحمت کا خواستگار ہونا آداب بندگی کے خلاف ہے۔ گویا یہ طلب اجرت کرنا یا ستائش کا کوئی کام کرکے فوراً انعام مانگ لینے کا عمل ہے۔ ان کے خیال میں یہ خودغرضی کا ایک انداز ہے، مگر میں یہ کہتا ہوں کہ ایسے معاملات کو سودے یا اجرت سے تعبیر کرنے کی بجائے ناتواں اور بے بضاعت انسانوں کا عزیزالحکیم رب سے اپنے لئے طاقت مانگنے کا ایک پراعتماد انداز سمجھنا چاہئے۔ میرا کہنا یہ ہے کہ اس بات کو بہت کمزور (بلکہ بے زور انسان) اور طاقت ور (بلکہ بے حد و حساب طاقت والے خدا) کی حیثیت کو سامنے رکھ کر دیکھنا چاہئے۔ اگر بے بضاعت انسان جو سخت ضرورت اور مشکل میں ہے، اپنے معبود سے بھی اپنی خواہشوں کی تکمیل اور اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے نہ کہے تو پھر آخر کس سے کہے گا! بلکہ بعض روایات میں تو یہاں تک ملتا ہے کہ نماز کے بعد دعا نہ مانگنے سے رحمت پروردگار نالاں ہوتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ بندہ میرا اپنی حاجتوں میں اس قدر مستغنی ہے کہ طلب

رحمت کو بھی مناسب نہیں جانتا۔ یعنی بعض حالتوں میں سجدہ شکر نہ کرنا، طلب رحمت نہ کرنا، اور دعا نہ مانگنا بھی بے ادبی شمار ہوگا۔ شاید یہی سبب ہے کہ حدیث مبارکہ میں وارد ہوا کہ: اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَۃِ "دعا عبادت کا مغز ہے۔" البتہ یہ ضرور ہے کہ کسی عبادت کا صلہ سمجھ کر دعا نہ کی جانی چاہئے۔ دعا ہر لمحے، ہر حالت میں، ہر مشکل میں کرنی چاہئے کہ اس کے لئے یہ ہرگز لازم نہیں کہ صرف عبادت کے بعد ہی مانگی جائے، اگر واقعی ایسا ہوتا تو ایک دنیا جو عبادت (نماز، روزہ، حج وغیرہ) سے محروم ہے، دعا کے حق سے بھی محروم ہو جاتی۔

ہماری بعض مفروضہ باتیں ایسی ہیں جن پر ذرہ سا بھی غور کریں تو اصلیت کچھ اور کھلتی ہے۔ ایسی ہی باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ بندے کو اپنے خالق و مالک کے کسی معاملے کو اجرت کی طلب یا جزا سے مشروط نہیں کرنا چاہئے۔ کہا جاتا ہے یہ طریقہ سوئے ادب ہے اور بندگی کے خلاف ہے مگر آپ غور کیجئے کیا یہی شرط نذر اور منّت کا لازمی جزو نہیں ہے۔ کیا یہ نذر مانگنا، اور منت پوری کرنا، صلحاء و انبیاء کا وتیرہ نہیں رہا ہے۔ کیا نذر پورا کرنے اور عہد نبھانے کی ہماری شریعت میں سخت تاکید نہیں کی گئی ہے۔ کیا یہ کہنا شرط عمل کی صورت نہیں ہے کہ اے معبود میرے! اگر میری یہ بات پوری ہوئی تو میں یہ کام کروں گا، یوں کروں گا اور نذر دوں گا۔ ظاہر ہے یہ نذر جو صدقہ ہے، مال کی تقسیم ہے، نمازوں کا پڑھنا ہے، قربانی دینا ہے، حج کروانا یا کرنا ہے، مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے، یعنی یہ سب عہد، اس کام کے ہو جانے سے مشروط ہیں، جس کی اپنے معبود سے التجا کی گئی ہے۔ اگر یہ کام نہ ہوں تو یقیناً نذر و نیاز کے یہ عہد بھی پورے نہ ہوں گے اور اگر پورے ہو جائیں تو ان وعدوں کے مطابق انسان کو

یہ کام سرانجام دینا ہوں گے بلکہ پروردگار کے ساتھ بیع و شریٰ (لین دین) کی ایک واضح مثال ان آیات سے بھی ظاہر ہوتی ہے :

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ

(البقرہ:۲۰۷) "اور لوگوں میں سے وہ بھی ہے جو اللہ کی مرضی خریدنے کے لئے اپنے آپ کو بیچ ڈالتا ہے۔" اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبہ:۱۱۱) "اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لئے ہیں اور ان کے بدلے میں انہیں جنت (بیچ) دی ہے۔"

چنانچہ اپنے رب سے اپنے لئے کچھ طلب کرنا خواہ کسی بھی انداز' کسی بھی صورت میں ہو' مخلوق کا حق ہے کیونکہ وہ' وہ ہے جو سب کی طرف دیکھنے والا اور سب کی سننے والا ہے۔ اور تو اور' خود شیطان کے بارے میں ہے کہ اس کی بھی سنی گئی۔ اس نے کہا: "مجھے قیامت تک مہلت دے۔" قَالَ اَنْظِرْنِىْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (الاعراف:۱۴) خدا نے جواب دیا: کہ "جا تجھے مہلت دی" (تو ان میں سے ہے جنہیں مہلت دی گئی) قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ پھر شیطان نے کہا: "میں تیرے بندوں کو سیدھی راہ بیٹھ کر بہکاؤں گا' پیچھے سے' دائیں سے' بائیں سے۔" چنانچہ یہ اجازت مل گئی۔ اس اجازت کا پہلا وار اس نے حضرت آدم علیہ السلام و حوا پر کیا' فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ "ان دونوں کے دلوں میں اس (شیطان) نے وسوسہ ڈالا۔" یہ اور بات کہ شیطان کو دی ہوئی اس مہلت کو پروردگار نے اپنے بندوں کی آزمائش کا ایک راستہ بنا دیا۔

حکیم کا کوئی فعل چونکہ حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ پروردگار نے شیطان کو یہ جو (مہلت) کوشش کا اختیار دیا اس میں اپنے بندوں کی آزمائش

(اختیار خیر و شر) کے لئے ایک مستقل معیار بھی قائم کر دیا۔ اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا (الدھر : ۳)

مذاہب کی تاریخ بتلاتی ہے کہ الٰہی شریعتوں نے ہر نبی کے عہد میں اور ہر صحیفے کے ذریعے دعا کا تصور عام کیا۔ کوئی مذہب تاریخ انسانی کا ایسا نہیں جس نے دعا کی تعلیم نہ دی ہو۔ خود قرآن مجید نے جن انبیاء کا تذکرہ کیا ہے اور ان کی زندگی کے واقعات جہاں جہاں تمثیلاً بیان کئے ہیں' وہاں ان کے اعمال عبادات اور تحیات کے نمونے بھی لکھ دئے ہیں۔ آدمؑ نے' ابراہیمؑ نے' اسمٰعیلؑ نے' یعقوبؑ نے' یوسفؑ نے' یونسؑ نے' ایوبؑ نے' داوٗدؑ نے' سلیمانؑ نے' زکریاؑ نے' یحییٰؑ نے' موسیٰؑ نے' عیسیٰؑ نے' ہر اولوالعزم نبی' بلکہ سردار انبیاء سیدالرسل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھی طلب رحمت کی۔ لہٰذا یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہیئے کہ کسی نبی یا ولی و امام کو دعا کی ضرورت نہیں ہوتی۔ سچ تو یہ ہے کہ دعا' انبیاء و اولیاء کی سنت کا ایک ایسا مضبوط قرینہ ہے جس پر عمل کئے بغیر انسان روحانی سربلندی تک پہنچ نہیں سکتا۔ حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا عالم یہ تھا کہ بارگاہ قدس میں دعا کرتے' گڑگڑاتے' عاجزی اور بندگی کے آنسوؤں سے آپ کے رخسار بھیگ جاتے' محراب مسجد اور خانہ نبوت میں دعا کی ان کیفیتوں کو دیکھنے والوں میں سے بعض نے اگر حیرت زدہ ہو کر پوچھا کہ: "اے اللہ کے برگزیدہ نبی! آپ کو استغفار' توبہ اور اس رقت و آہ و زاری کی ضرورت کیوں کر پیش آتی ہے تو جواب میں ارشاد فرمایا کرتے اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا کیا میں اپنے رب کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔ گویا رقت کے ساتھ طلب دعا' بارگاہ رب العزت میں شکر گزاری اور اقرار بندگی کا ایک طریقہ بھی ہے۔"

حضرت علی ابن ابی طالب کی سیرت میں محراب عبادت کی جو شہرت

ملتی ہے، اس کے بہت سے واقعات بھی ہمیں یہی یقین دلاتے ہیں۔ حضرت سید سجاد زین العابدین کا بارگاہ قدس میں تضرع، گریہ و زاری اور استغفار کرنا اور دیگر تمام ائمہ اہل بیت اور برگزیدہ اصحاب پیغمبر کا ہمہ دم طلب رحمت کرتے رہنا، ایسے تمام تر واقعات ثابت کرتے ہیں کہ اپنے معبود سے امداد و اعانت ہر وقت چاہتے رہنا اور گریہ و زاری کے ساتھ اس کا فضل و کرم مانگتے رہنا، عبدیت کا بہترین اظہار ہے۔

رقیق القلبی اللہ کو بے حد پسند ہے۔ سورہ النجم میں رقت اور گریے کو جو راہ خدا میں ہو، حیات حقیقی اور نفس انسانی کی اصل زندگی بتلایا گیا ہے، جبکہ مسرت کو، روح کے لئے موت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بہ اعتبار صنعت لف و نشر مرتب اس آیت پر نظر کیجئے۔ لفظیں یہ ہیں:

وَاَنَّہٗ ھُوَ اَضْحَکَ وَاَبْکٰی وَاَنَّہٗ ھُوَاَمَاتَ وَ اَحْیَا (آیت ۴۳-۴۴:) "اور وہی رب ہے جس نے ہنسایا (مسرت دی) اور رلایا (رقت قلب دی) اور وہ وہی رب ہے جس نے موت اور زندگی عطا کی۔" یہ رقت تمام عبادتوں کی روح ہے۔ خصوصاً دعا کی تقویت کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی اور سہارا نہیں۔ البتہ تقویت اور تاثیر دعا کے لئے روحانی معرفت رکھنے والے بزرگوں نے جہاں اور ذرائع کا تذکرہ کیا ہے، وہاں درود کی اہمیت کو نہایت شدومد سے بیان کیا ہے۔ قرآن مجید، احادیث رسول اور اولیائے کرام کے طرز عمل سے درود پاک کی جو اہمیت و حیثیت واضح ہوتی ہے، ہر طالب دعا کو اس سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے۔ قرآن مجید میں آتا ہے: "اللہ اور اس کے فرشتے، نبی محترم پر صلوات و سلام (درود) پیہم بھیجتے رہتے ہیں اور بھیجتے رہیں گے۔ اے ایمان والو! تم بھی ایسا ہی کرو۔" یہی وہ درود ہے جسے تمام امت ہر نماز میں

پڑھتی ہے جو رکن صلوٰۃ ہے' جس کے ارادہ ترک سے' نماز' نماز نہیں ہوتی' جس کا من و عن لفظاً لفظاً پیغمبر ﷺ سے مروی ہونا ثابت ہے' جسے کسی ترمیم یا اضافے کے بغیر' الفاظ رسول ﷺ کے عین مطابق ادا کرنا تقویت و تاثیر دعا کا ایک مفید ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے۔ جس طرح درود تقرب الٰہی کا وسیلہ ہے' اسی طرح گریہ بھی دعا کو منزل قبول کے قریب تر لانے کا ایک ذریعہ ہے یہاں تک کہ خدا کی راہ میں بہا ہوا ہر آنسو' بجائے خود ایک عبادت بن جاتا ہے۔ نماز پڑھتے جایئے اور روتے جایئے کہ پالنے والے! میں بہت شرمسار ہوں' خیرات دیتے جایئے اور روتے جایئے کہ بار الٰہ! بہت خائن ہوں' تیری امانتوں کو اس طرح سنبھال کے نہیں رکھا جیسا کہ چاہئے تھا۔ غریبوں کی مدد کرتے جایئے اور عجز و انکسار سے روتے جایئے کہ اے پالنے والے! تیری مخلوق کی ایسی خدمت نہیں کی جیسا کہ حق ہے۔

مگر گریہ سحری ہو' یا آہ نیم شبی' رقت قلب اور چشم اشک فشاں کا یہ سارا سامان اکل حلال سے حاصل ہوگا کہ عشق الٰہی' علم اور معرفت کی اساس اسی ستون پر قائم ہے:

علم و حکمت زائد از نان حلال
عشق و رقت آید از نان حلال

کچھ لوگ یہ کہتے ہیں' اور یقیناً سچ کہتے ہیں' اور پوچھتے ہیں کہ دعا ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ کتنی ہی عاجزی' اخلاص نیت' رقت قلب اور بھیگی ہوئی آنکھوں کے ساتھ کیوں نہ مانگی جائے' پوری نہیں ہوتی! دعا کے قبول کا اگر یہ بھی موثر راستہ نہیں تو پھر اور کیا ہے! آخر کیا یہ وہی ٹھیک طریقہ دعا نہیں' جس کا حوالہ اب تک سامنے آتا رہا ہے۔ کیا یہی وہ طریق ائمہ و سنت

انبیاء نہیں جس کا حال ان بزرگوں کی سیرت میں ملتا چلا آیا ہے۔

یہ ایک بجا سوال بلکہ درست تجسّس ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہر نفس بشر نے اپنی تکلیف کے ازالے' اپنی پریشانی کی دوری' اور اپنی حاجت کے طلب کے لئے دعا کی ہے۔ یہ بالکل قرین فطرت ہے کہ جناب زکریا علیہ السلام پیغمبر خدا کا سر جب آرے سے چیرا جا رہا تھا' اور وہ (بہ روایت بعض) ایک درخت کے تنے میں پناہ گزیں تھے' جب ان کے سر پر وہاں آرا آ پہنچا' کیا انہوں نے اس تکلیف سے بچنے کے لئے دعا نہ کی ہوگی۔ نفس انسانی کی جبلت یہ کہتی ہے' یقیناً ایسا ہوا ہوگا۔ مگر واقعات کہتے ہیں' جناب زکریا علیہ السلام کا سر کاٹا گیا۔ کیا جناب یحیی نبی اللہ نے اپنا سر قلم کئے جانے سے پہلے طلب رحمت نہ کی ہوگی' لیکن واقعات کہتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر قلم کر دیا گیا۔ اللہ کے جس پسندیدہ اور محبوب ترین نبی نے اپنے بہت پیارے چچا' حضرت حمزہ کی دردناک موت پر گریہ کیا' کیا اس نے احد کے معرکے میں' اپنے چچا کے محفوظ و مامون رہنے کی دعا نہ کی ہوگی۔ مگر واقعات یہ کہتے ہیں کہ حضرت حمزہ شہید ہوئے' جگر خوارہ ہندہ نے ان کی لاش سے بہیمیت کا بدترین مظاہرہ کیا اور جناب حمزہ کے ان واقعات شہادت سے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت رنجیدہ بھی ہوئے۔

ہماری تاریخ کے انتہائی دلدوز اور جگر سوز واقعے میں جو کڑیل جوان بیٹوں اور بھائیوں کی موت' معصوم بچوں کی قربانی' عزیزوں اور دوستوں کی تکلیف دہ شہادت سے عبارت ہے' کیا اللہ کے محبوب نبی کے چہیتے اور لاڈلے نواسے خدا کے برگزیدہ ولی' حسینؑ نے ان میں سے کسی کے لئے دعائے امان نہیں کی ہوگی۔ تاریخ کہتی ہے ان تمام بزرگوں نے ہر مرحلہ خطر میں دعا کی کہ

دعا ایسی صورتوں میں من جملہ وجوب ہے لیکن جب انجام سامنے آ پہنچا' رضا بقضاءہٖ و تسلیماً لامرہٖ کہہ کر نتائج کو بڑی خوش دلی' اطمینانِ قلب اور یقین کے ساتھ رضائے الٰہی سمجھ کر قبول کرلیا۔

قبولِ دعا کے ضمن میں میرا استدلال یہ ہے کہ ہماری دعا کا قبول کبھی مصلحتِ خداوندی کے خلاف بھی ہوتا ہے' تب وہ دعا اس طرح قبول نہیں ہوتی' جس طرح کہ ہم چاہتے ہیں' اور یہ کہ اس کے قبول نہ ہونے میں ہمارا ہی کوئی نہ کوئی مفاد پنہاں ہوتا ہے۔ مگر دعا کے قبول نہ ہونے میں چھپی ہوئی حکمتِ الٰہیہ کا بھلا کون بشر ہے' جو کاملاً اندازہ کرسکے۔ اس کی مصلحت و حکمت کا علم تو تب ہوگا جب وہ واقعات' جن کے بارے میں دعا رد ہوئی' اپنے انجام کو جا پہنچیں۔

ہماری تاریخ میں انبیاء' اولیاء' ائمہ کی زندگی کے بہت سے ایسے واقعات ملتے ہیں جہاں دعا تقاضائے بشریت معلوم ہوتی ہے۔ جیسے زندگی کی' اولاد کی' حق کی فتح یابی کی' جان و مال کی حفاظت کی' اپنے دلداروں اور عزیزوں کی سلامتی کی خواہش میں دعا لازم آتی ہے' مگر حالات و آثار بتلاتے ہیں کہ ان بزرگوں کی زندگی میں وہ واقعات ہو کے رہے اور وہ مصیبتیں آ کے رہیں لٰہذا ثابت ہوا کہ رب کریم بعض دعائیں رد کرسکتا ہے کیونکہ ان کے قبول نہ کئے جانے میں اس کی کوئی نہ کوئی بڑی حکمت پوشیدہ ہوتی ہے مثلاً یہ کہ جناب زکریا کے سوا اور بھی بہت سے نبی ہیں۔ ہمارے لئے سب قابل احترام' جیسے الیسع' حزقیل اور اسحٰق' مگر جو رتبہ مصائب جھیلنے' جان دینے اور سر کٹوانے سے حضرت زکریا علیہ السلام کو حاصل ہوا اور جو امتیاز انہوں نے دوسرے انبیاء کرام کی نسبت حاصل کیا' وہ صف انبیاء میں دوسروں کی نسبت ایک خاص امتیاز کا

حامل ہے۔ آپ غور کیجئے! جو سختیاں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل، یعقوب و یوسف، ایوب، یونس، زکریا، یحیٰ، عیسیٰ علیہم السلام وغیرہ اور سب سے بڑھ کر حضرت خاتم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برداشت کیں اور جو جو مصائب سہے، وہ اور بہت سے انبیاء کرام کو پیش نہیں آئے۔ غالباً یہی وہ امتیاز و افتخار ہے جس کی بنا پر اللہ وحدہٗ لاشریک نے اپنے رسولوں اور منصب ہدایت کے لئے منتخب بندوں میں، ایک کو دوسرے پر فضیلت و فوقیت عنایت کی۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ

انسانی معاشرے میں ان برگزیدہ خلائق انسانوں کا یہ امتیاز فضیلت و نیک نامی خود ان کے لئے بھی باعث شرف ہے اور کارخانہ قدرت کے مفاد میں بھی ہے۔ بلاشبہ یہ سب دربار ربوبیت میں برگزیدہ خلائق اور رضائے الٰہی کے قریب ترین اشخاص تھے، مگر کارخانہ قدرت اور سلطان قضا و قدر میں کسی کو کوئی دخل نہیں، اِلاّ یہ کہ وہ خاص معاملات میں اپنے ان بندوں کو اپنا مجاز بنا دے، لیکن عبد و معبود اور خالق و مخلوق کے درمیان معنوی طور پر بہرحال ایک حدِّ فاصل قائم رہے گی اور ان میں سے ہر شخص اپنے آپ کو کہیں نہ کہیں منزل طلب اور مقام دعا پر محسوس کرے گا۔

تقریباً یہی صورتِ حال کربلا کے واقعاتِ شہادت میں ملتی ہے۔ مشکلات و مصائب جو امام اور ان کے رفقاء پر پڑے، جو دلدوز واقعات وہاں ظہور میں آئے، نتیجہ دعا کے طور پر اگر ان سے امام بچ جاتے تو صبر و استقامت، عظمت و عزیمت کا جو بے مثل مظاہرہ انہوں نے کیا اور وہ اپنے توکل علی اللہ، صبر و شکر، اعلائے کلمہ الحق اور احیائے دین کے لئے جو اللہ کی برہان بن گئے، نہ بن پاتے۔

یہ اور اس طرح کے کئی اور واقعات و نظائر ایسے ملتے ہیں کہ خدائے بزرگ و برتر اپنی مصلحت و حکمت کے سبب کبھی کبھی اپنے نیک بندوں کی خواہش کو بھی، اگر وہ قضا و قدر سے مختلف ہو، چاہے تو پوار نہ کرے۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ ہر معاملے میں اللہ کی مصلحت پوشیدہ ہے۔ ہرچند کہ اس مصلحت کا راز ہم پہ نہ کھلے، یا کھلے تو بہت دیر سے کھلے۔ مثلاً یہی کہ اللہ کے نیک بندوں کی خواہش و طلب اگر کبھی اس طرح پوری نہ ہو جس طرح کہ وہ چاہتے ہوں تو اس میں ممکن ہے یہ حکمت بھی ہو کہ جب کسی عام شخص کی دعا کسی معاملے میں رد ہو جائے تو وہ اس امر سے حوصلہ حاصل کر سکے اور یہ جان لے کہ بعض دعائیں جو مرہون قضا ہیں، اگر وہ محبوب ترین بندوں (انبیاء و رسل، ائمہ و اولیاء) کی ہوں تب بھی ارادہ قدرت اور مشیئت الٰہی سے مشروط ہوں گی اور یہ بھی کہ ان بزرگ خلائق انسانوں کا اپنے رب کے آگے ہاتھ پھیلانا، گڑگڑانا، علم، اولاد، شفاء، بخشش، فتح و کامیابی کے لئے ایک جیسی مستقل دعا کرتے رہنا عام بندوں کے لئے اس حقیقت کا پیغام بھی ہے کہ دعا کے قبول کرنے یا نہ کرنے کا اختیار بس اسی کو حاصل ہے، جو سب کا خالق و مالک ہے۔ دعا مانگنے والا، اس کے قبول و اختیار سے یکسر بری ہے۔

اللہ کے اس وعدے کے باوجود کہ وہ پکار (دعا) سنتا ہے اور یہ کہ وہ ترغیب دعا بھی کرتا ہے اور پھر بھی اپنے بندوں کی بہت سی دعائیں مکمل تقاضائے دعا کے باوجود قبول نہیں کرتا۔ اس معاملے میں توجہ کیجئے تو معلوم ہو گا کہ خداوند عالم نے اپنے بندوں کو اختیار احتیاط و صواب عطا کرنے کے باوجود اپنی حکمت و مصلحت، اور اپنے اختیار قضا و قدر کو یکسر معطل نہیں کر دیا۔ لہٰذا بندوں کی کچھ دعائیں، کچھ خواہشیں، کچھ باتیں یقیناً ایسی ہو سکتی ہیں جو اس کی

کتاب قضا و قدر میں محکم طور پر لکھ دی گئی ہوں کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو پھر تقاضہ دعا اور وعدہ الٰہی کے مطابق، ہر دعا قبول ہوتی اور کوئی امر بھی قضا و قدر اور حکم الٰہی نہ بن سکتا۔ نہ کوئی تقدیر ہوتی نہ مقدر۔ جو شخص اور جب چاہتا دعا کے ذریعے اپنی تقدیر بنالیتا۔ آپ خود سوچئے: انسان کی خواہشات کی حد آخر کیا ہوتی اگر ہر دعا کے قبول ہو جانے کی روایت پڑ جاتی تو پھر ایک ہی منصب، ایک ہی شے، ایک ہی معاملے کے لئے جو دو (یا زیادہ) فریق ہوتے اور ان میں سے ہر ایک اس شے کا طالب ہو جاتا تو یہ صورت حال کیا ہوتی اور پروردگار نے یہ جو کہا کہ "دعا کرو، میں سنوں گا" "میں دعاؤں کا سننے والا ہوں" اس بات کو ایک محدود رعایت کے طور پر جاننا چاہئے۔ گو کہ اس رعایت کی حدود بھی، اللہ کے اپنے لامحدود اختیار کی طرح بے انتہا وسیع ہوں گی۔

اسی معاملے میں ایک اور سیدھی سادھی بات یہ ہے کہ احکامات قضا و قدر میں بدا بھی ممکن ہے۔(۱) ہماری تقدیر کے بعض امور وہ ہیں جو معین و محکم ہیں جنہیں مقدر کر دیا گیا ہے، اور بعض امور وہ ہیں جنہیں مشروط (یا غیر معین) و معلق کر دیا گیا ہے۔ ان کا مشروط و معلق ہونا، سعی، ہمت، عزم اور تدبیر سے وابستہ ہے مگر ہمارے وہ معاملات جو قضائے مبرم اور تقدیر معین سے وابستہ ہیں، دعا انہیں ہرگز مٹا نہیں سکتی۔ لہٰذا جن باتوں کی ہم دعا مانگ رہے ہوں اور وہ پوری نہ ہوتی ہو ممکن ہے ایسے ہی مقدرات سے ہو۔

جو امور تقدیر معلق سے وابستہ ہیں اور ان کا معلق ہونا بندے کی سعی و تدبیر پر منحصر ہے، ان میں سے ایک تدبیر صدقہ بھی ہے۔ احادیث پیغمبر علیہ السلام سے ثابت ہوتا ہے کہ صدقہ ردِّ بلا اور دفع خطر کی دعا کا ایک موثر

---

(۱) مسئلہ بدا پر تفصیل کتاب کے آخر میں دیکھئے۔

وسیلہ ہے۔ کوئی تدبیر دعا کس طرح رضائے الٰہی پر اثرانداز ہوتی ہے اس کا اندازہ اس واقعے سے کیجئے جسے "لواعجُ الاَحزان" میں سید محمد مہدی مرحوم نے حضرت سید سجاد زین العابدین کے حوالے سے یوں روایت کیا ہے:

"حرم خدا میں کبوتروں کی کثرت دیکھ کر کسی شخص نے امام سے سوال کیا کہ ان کبوتروں کا یہاں آنا کیوں کر ہوا۔ امام نے فرمایا: میں نے اپنے بزرگوں سے سنا کہ کسی گھر میں ایک اونچا درخت تھا۔ اس درخت پر کبوتروں کا ایک جوڑا رہتا تھا' جونہی وہ انڈے دیتا اس گھر کا مالک درخت پر چڑھ کر وہ انڈے اتار لیتا اور کھا جاتا۔ بارہا جب ایسا ہوا تو ان کبوتروں نے بارگاہ الٰہی میں درخواست کی کہ اے پروردگار! اس شخص کے ظلم سے ہمیں محفوظ رکھ۔ کبوتروں کو وحی ہوئی جس کا مفہوم یہ تھا کہ اب وہ شخص ایسا نہ کرپائے گا۔ مگر پھر بھی وہ شخص اپنے اندازے کے مطابق جن دنوں اسے درخت پر کبوتروں کے گھونسلہ سے انڈے ملنے کی امید تھی' اوپر چڑھا' چند ہاتھ اوپر سرک پایا تھا کہ کسی سائل نے سوال کیا۔ وہ اترا سائل کو صدقہ دیا اور پھر درخت پر جا چڑھا۔ انڈے اتار لئے۔ کبوتروں کے اس جوڑے نے پھر شکایت کی تب پروردگار نے فرمایا: تمہیں اولاد کی کثرت سے مالا مال کیا اور برکت کے ساتھ عزت دی۔ تم جاؤ اور حرم خدا میں اپنا مسکن بناؤ۔ چنانچہ یہ کبوتر اسی جوڑے کی نسل سے ہیں۔"

اس واقعہ سے پتا چلتا ہے کہ تدبیر دعا سے (جو بالفعل قولی نہ ہو) حکم الٰہی میں تبدیلی آسکتی ہے جیسا کہ صدقہ دینے سے درخت پر یہ چڑھنے والا گرنے سے محفوظ رہا۔

قبول دعا کے ممکنہ ذرائع جو عارفوں نے بیان کئے ہیں ان میں سے

ایک یہ ہے کہ کسی بھی اجنبی، کسی بھی کمزور، کسی بھی بے تعلق شخص کے لئے انتہائے خشوع سے، اس کی غیبت میں، اس طرح دعا کیجئے کہ جس کے لئے آپ ایسا کر رہے ہوں، اس کو خبر بھی نہ ہو۔ دوسرے کے لئے طلب خیر کرنے کا یہ طریقہ خود آپ کے لئے اپنی قبول حاجات کا ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے۔ عروج دعا کا یہ ایک ایسا موثر قرینہ ہے جس سے روحانی کے اعتبار سے اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا قرینہ نہیں ہو سکتا۔

ایسی چند اور مثالیں :

ایک شخص بہت خستہ حالوں سڑک پر آپ کے سامنے سے گزر رہا ہے۔ اس کے چہرے سے غربت، لباس سے ناداری ظاہر ہو رہی ہے۔ آپ اس شخص کو ہدف بنا کر پروردگار سے اس کے لئے طلب خیر کیجئے۔ یہ ہر طرح کے ریاء سے پاک ایک ایسا عمل ہوگا، خداوند عالم کے نزدیک جس کی قدر بے پایاں ہوگی۔ ایسے اشخاص اور ایسے لمحات سے جس قدر آپ کا رجوع بڑھے گا، اخلاص عمل کو اسی قدر جلا ملتی رہے گی۔

بعینہ یہ کہ کسی بیمار، زخمی، بدن جلے اور زخموں میں کیڑا پڑے شخص کو دیکھئے تو اس کے لئے دل کی گہرائی اور درد کے احساس سے، اس کی شفا کے لئے طلب رحمت کیجئے۔ کسی مزدور کو محنت میں سعی کرتا ہوا دیکھئے تو اس کے لئے حرف دعا بلند کیجئے۔ کسی کو خطرناک تیز رفتار سواری کے ساتھ سامنے سے گزرتا دیکھئے تو خوف و خطر کی بناء پر اس کی حفاظت و امان کے لئے، منزل مقصود تک پہنچنے کی دعا کیجئے۔ کسی عزیز، رشتے دار، دوست، آشنا کی اطلاع پایئے کہ وہ پریشانی میں ہے تو اس کے لئے بڑی دردمندی کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے

مسلسل دعا مانگتے رہئے۔ دعا اور دل کے ایسے تعلق کے ساتھ، جس طرح آپ اپنے لئے طلب دعا کرتے ہوں اور یہ عمل بغیر کسی دکھاوے، نمود اور طمع کے اس وقت تک جاری رکھئے، جب تک اس پریشانی کا احساس آپ میں باقی رہے اور یہ کہ دعا کے ایسے انداز محض لمحاتی نہیں ہونے چاہئیں۔ اس کیفیت طلب کا عالم کچھ دیر تک ضرور باقی رہنا چاہئے۔

تکریم نعمت کا تقاضا یہ ہے کہ دعا کے قبول اور نتیجہ دعا کے حصول کے بعد، دعا کا سرور اور لذت قبول جس قدر زیادہ سے زیادہ دیر تک باقی رہے، شکران نعمت کی قدر وقیمت اتنی ہی زیادہ ہوتی جائے گی۔ ایسا نہ چاہئے کہ صرف دعا کے وقت ہم غرض مند ہو کر اپنے رب سے اظہار عقیدت، اخلاص اور اقرار بندگی کرتے رہیں اور جب کام نکل جائے تو اسے بھول جائیں:

فَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ ۝ (العنکبوت:۶۵)

سو جب سوار ہوں وہ کشتی پر تو اللہ کو پکارتے ہیں اس کے ساتھ خلوص کا اظہار کرتے ہوئے اور جب اللہ ان کو بچا لائے خشکی پر، تب وہ شرک کرنے لگتے ہیں۔

دعا کا قبول ہونا یا نہ ہونا امر خداوندی پر منحصر ہے۔ انسان کا کام اس باب میں محض کوشش کرنا ہے لیکن اگر ایسا ہی ہو تو یہ سوال اپنی جگہ پر بھی قائم رہے گا کہ آخر وہ کون سی دعا ہے جس کی سماعت (قبول) کا ہمیں یقین دلایا گیا ہے۔ اک ذرہ غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ دعا ضرور قبول ہوگی اِلاّ یہ کہ اس کا قبول نہ ہونا مشیتِ الٰہی کے تحت مقدر کر دیا گیا ہو۔ البتہ ہر دعا کے لئے مقدر ہونا لازم نہیں۔ لہٰذا ہماری بیشتر دعائیں جو درجہ قبول تک نہیں پہنچ پاتیں، ان میں

سے اکثر وہ ہیں جو تقاضہ دعا کو پورا نہیں کرتیں۔

چنانچہ اہل اللہ اصرار کرتے ہیں کہ دعا ہر دم مانگتے رہو۔ اہل عرفان کا مشورہ یہی ہے کہ انتہائے قلب کے ساتھ اپنے پروردگار سے رجوع کرتے رہو، سالکان حق کا کہنا یہ ہے کہ بشر اپنا مدعا ہر دم پیش نظر رکھے، اس کی نیت قلب ہی اس کی دعا ہے۔ اس کے لئے لبوں کا ہلانا کچھ ضروری نہیں۔ گویا ان تمام ہدایتوں کا خلاصہ یہ نکلا کہ قبول دعا کے ہر ممکن اور سہل راستے پر چل کر بندہ اپنے پروردگار سے طلب حاجت کرتا رہے۔

خیال رہے کہ دعا کسی بھی کیفیت میں مقرر لفظوں کی محتاج نہیں ہوتی۔ جو لفظ، جس زبان اور جس ضرورت میں لبوں پر آ جائیں وہی دعا ہیں۔ دعا عبد و معبود کے مابین ایک ایسا معاملہ ہے جس کی تصدیق و تائید کے لئے کسی دوسرے کی ضرورت لازم نہیں آتی۔ بھلا اس دعا میں تاثیر کیوں کر پیدا ہو سکے گی جہاں خواہشیں ہماری ہوں، لفظ دوسروں کے ہوں، واردات قلب ہماری ہو اور زبان دوسروں کی ہو۔ اِلّا یہ کہ اللہ، نبی، امام یا ولی نے اسے بہ طورِ ہدایت خاص طور پر بتلایا ہو اور اس کا بتلایا جانا بالکل ثابت بھی ہو۔

بعض اہل اللہ نے تو زبان غیر سے اظہارِ آرزو کرنے کی نسبت، ترکِ آرزو کو فوقیت دی ہے۔ بقولِ آتش:

پیام بر نہ میسر ہوا تو خوب ہوا
زبانِ غیر سے کیا شرح آرزو کرتے

دعا کی طلب میں کسی غیر کا حائل ہونا، قبول دعا کا راستہ روک سکتا ہے۔ احادیث پیغمبر علیہ السلام کی رو سے دعا، بندگی کا ایک تقاضا ہے لہٰذا جاننا چاہئے کہ عبد و معبود کے درمیان اس رشتے میں، کسی بھی ثالث کا آ جانا، عبد و

معبود کے مابین بلاواسطہ تعلق کے رشتے کو کمزور بنا سکتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: دعا وہی رسا ہوگی جو ہر طرح کے تکلف سے بری ہو۔ باب قبول تک بس اسی دعا کی رسائی ممکن ہے جو اپنے لئے ہو، اپنے لفظوں میں ہو، جس کے ایک ایک حرف میں دل اڈا چلا آتا ہو، جو آگ سی بن کر سینے سے نکلے اور آنسو بن کر آنکھوں سے بہنے لگے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ نہایت مخلصانہ طریقے پر بغیر کسی ریو و ریاء کے اگر کوئی دعا اپنے سے غیر کے لئے کی جائے اور اس میں محض لفظی جمع خرچ نہ ہو، یا سوزدل اور دردمندی کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں ایسی درخواست گزاری ہو جیسے کوئی شخص خود اپنے لئے طالب حاجات ہو، یقیناً یہ عمل زمرہ دعا میں شامل ہے۔ اور ہاں یہ بھی سچ ہے کہ بیمار ہونے والا، مرنے والا اور پریشانی میں مبتلا شخص اپنے لئے دعائے خیر کرنے سے جب معذور ہوتا ہے تب ظاہر ہے کوئی دوسرا شخص ہی اس کے لئے طالب خیر ہوگا۔ چنانچہ ایسی دعا یقیناً زمرہ دعا میں شامل ہوگی مگر طالب دعا کے لئے یہ اسی صورت میں موثر ہوگی جب عبد و معبود کے درمیان تمام پردے من و تو کے اٹھ جائیں۔ دعا کو خالصتاً للہ ہونا چاہئے یعنی جس کسی شخص کے لئے دعا پروردگار سے طلب کی جا رہی ہے، اسے عبادت سمجھ کر ادا کرنا چاہئے۔ مگر اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ اداروں اور جلسوں میں جو دعائیں مانگی جاتی اور تعزیتی قراردادیں پاس کی جاتی ہیں ان کی تہہ میں عموماً رسم زمانہ کے تقاضے زیادہ کارفرما ہوتے ہیں۔ ان کا مقصود ایصال ثواب اس قدر نہیں ہوتا، جس قدر کہ سماجی تقاضوں کی تکمیل مدِنظر ہوتی ہے۔

دعا چونکہ من جملہ عبادات ہے اور عبادت کا محض شکلاً بجا لانا یا اس کے ذریعے کسی غیر (ماسواللہ) کو مطمئن کرنا یا خوشنودی غیراللہ حاصل کرنا

مقصود ہو تو یہ عمل، عبادت میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔

ایسی اجتماعی دعا میں کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ کسی ایسے شخص یا ایسے معاملے کے لئے دعائے عام مانگی جاتی ہے جس کے مخالف اور اسے ناپسند کرنے والے بھی اس مجمع میں موجود ہوتے ہیں جو بظاہر تو مجمع عام کے ساتھ دست بدعا نظر آتے ہیں اور ممکن ہے سب کی دیکھا دیکھی احترام جماعت میں، آمین کہنے والے بھی ہوں، مگر غور کیجئے کیا اسے ہم دعا کی رسائی کا وہ راستہ سمجھ سکتے ہیں جو باب قبول اور دروازہ ایجاب تک جا پہنچتا ہو۔ غور کیجئے اپنے مالک حقیقی سے رابطے کی یہ کس قدر غیر موثر، ناقبول اور مصنوعی صورت ہوگی کہ خواہش طلب یا دعا ہماری ہو اور ہم اس کے اظہار میں کسی طرح پابند اور معذور بھی نہ ہوں مگر پھر بھی وہ ہمارے لبوں پر نہ آئے اور اس کی اپنے معبود تک رسائی کا خیال بھی کریں۔ بھلا یہ بھی کوئی دعا ہے کہ کوئی دوسرا کہے، یا کسی آلہ ضبط صوت (رکارڈر، پلییر) سے نکلے۔ یہ تو اس دوا کے مانند ہے جو استعمال کوئی اور کرے، شفا اس سے ہم چاہیں۔

یہ جو جہازوں کے سفر اور دوسری سواریوں میں ہو رہا ہے اسے قابل قبول دعا اور عرش الٰہی تک جانے والی پکار، کیوں کر کہا جاسکتا ہے، جو محض کسی کمپنی کے ضابطے کی کاروائی اور محض ثقافتی علامت کے اظہار کا قرینہ ہو۔ یہ ادا، اپنے رب کے روبرو، اپنے دل کی سچی پکار کبھی نہیں کہلائی جاسکتی اِلّا کہ وہ سچی پکار ہو۔ احترام اور تاثیر دعا کی اس بحث میں میرے نقطہ نظر کو مدنظر رکھئے۔ تاثیر دعا اور قبول حاجت کے معاملات میں ایسا ہی ایک معاملہ مرنے والے کے لئے ایصال ثواب کا ہے۔ جب ہمارا کوئی شخص مرجاتا ہے، ہم ایصال ثواب اور طلب خیر کرتے ہیں۔ کسی دوسرے شخص کے لئے ایصال ثواب یا طلب خیر کرنا

دعا کے عمل ہی کی ایک صورت ہے۔ دعا کے اس اہم ترین مرحلے میں جہاں گنہگار کی بخشش اور لغزشوں سے درگزر کرنے کی درخواست مطلوب ہو وہاں ہم اس انتہائی اہم معاملے میں مدرسوں کے نوعمر اور نادار طالب علموں کو جن میں سے ابھی کچھ کا بخوبی ناظرہ بھی مکمل نہ ہوا ہو' جن کا مرنے والے سے کوئی تعلق بھی نہ ہو اور جو عنداللہ اس کام کے لئے ازخود بھی نہ آئے ہوں' ہم توقع کریں کہ ایصال ثواب ان کے ذریعے ہو گا جبکہ ان کی آمد کو دعوت طعام' سہولت سفر اور اس قبیل کی دیگر سہولتوں سے مشروط بھی کر دیا گیا ہو۔ بھلا یہ صورت دعا' کس قدر مفید ہو سکتی ہے۔ آپ اسلامی عبادات و اعمال کے فلسفے پر نظر رکھ کر خود ہی فیصلہ کیجئے۔

لاریب کہ قرآن مجید کا پڑھنا ثواب ہے مگر اسی صورت میں کہ اسے عنداللہ پڑھا جائے۔ مرنے والے کی بعد از مرگ لاچاری' بے کسی اور بے اختیاری کو ذہن میں رکھ کر کاملاً اس کی مدد کے لئے بخشش و رحمت کی خاطر' اپنے ہر طرح کے مفاد ذاتی کی نفی کرتے ہوئے بغیر کسی رواداری کے اور حاضری چڑھانے کے قطع نظر ایسا کیا جائے تو یقیناً یہ عمل ایصال ثواب اور بخشش و مغفرت کا سبب بن سکتا ہے۔

سورہ المؤمن میں کہا گیا ہے: ''فائدہ وہی اٹھاتا ہے جو اللہ کی طرف خالصتاً رجوع کرتا ہے (پس اے رسول) اللہ کو اس کی خالص فرمانبرداری کرتے ہوئے پکارو۔

وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَن يُنِيبُ ۝ فَادْعُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ۝ (آیت : ۱۳-۱۴)

معلوم ہوا کہ خداوند قدوس و رحیم کو صرف اور صرف وہی عبادتیں اور وہی پکار

قبول ہے جس میں ریاء کا شائبہ نہ ہو' جو اخلاص پر مبنی ہو' رقت قلب اور خشیت سے سر بہ سر معمور ہو۔

دعا کے لئے جیسا کہ عام طور پر کہا جاتا ہے' فلاں بزرگ کی دعائیں بڑی پر تاثیر ہیں۔ چنانچہ اپنی طلب حاجت کے لئے وہی دعائیں اور وہی لفظ ہمیں اختیار کرنے چاہئیں۔ میری دانست کہتی ہے' یہ بات من وعن' اس طرح درست نہیں جس طرح عموماً سمجھی جاتی ہے۔ بلاشک یہ بزرگ بارگاہ قدس میں عاجزی' رقت اور تقرب الٰہی کے سبب اپنی حاجتوں کو جلد پہنچانے کی اہلیت رکھتے تھے لیکن یہ سب ان کا اپنا معاملہ تھا۔ ان کی سی قوت دعا کے لئے ان جیسی ماہیت قلب بھی چاہئے ہے۔ منزل طلب میں وہ عرفان و آگہی کی کس منزل پر سرفراز تھے' اس کا اندازہ کون کر سکتا ہے۔ بھلا میں اور آپ' ان کے ہم نفس ہو کر ویسی طلب' اور ویسی ہی تاثیر قلب کیوں کر پیدا کر سکتے ہیں۔ لہٰذا میرے خیال میں کسی بھی دوسرے شخص کی مانگی ہوئی دعاؤں کو ہم اپنی دعاؤں کے لفظوں میں ڈھال نہیں سکتے۔ اگر رواجاً ہم نے ایسا کر بھی لیا تو یہ دوسرے درجے کا مصنوعی اور غیر حقیقی عمل قرار پائے گا۔

ہمارے مذہبی لٹریچر میں ایک بڑا ذخیرہ دعاؤں کا ملتا ہے۔ ان میں کچھ ادعیہ ماثورہ ہیں'(۱) کچھ مسنونہ اور کچھ قرآنی ہیں' کچھ اکابر روحانی کے حوالہ سے ہم تک پہنچی ہیں۔ جہاں تک قرآنی دعاؤں کا معاملہ ہے' وہ صریحاً واقعاتی ہیں اور اپنے مکمل تناظر میں مصدقاً موجود چلی آتی ہیں۔ قرآن مجید نے ان میں سے بعض دعاؤں کے قبول کی اطلاع بھی دی ہے اور ان میں سے بعض دعاؤں کو' من و عن ایسی ہی درپیش صورت حال کے لئے' نمونہ تقلید بنا کر پیش کیا ہے۔

---

(۱) ادعیہ ماثورہ پر تعلیقہ ملاحظہ کیجئے' کتاب کے آخر میں

لہٰذا ایسی دعاؤں کا مماثل حالتوں میں پڑھا جانا' قبول حاجت کا امکانی راستہ ہو سکتا ہے۔ پھر یوں بھی کہ یہ بالکل وہی لفظ ہیں جو مشکل وقت میں طلب حاجت کے لئے انبیاء اولوالعزم کی زبانوں پر آئے تھے' لیکن قرآن مجید سے باہر کی ایسی منقول دعائیں خصوصاً وہ جو سینکڑوں لفظوں پر مشتمل ہیں' ان کا ایسا ہی ہونا اور انہی بزرگان سلف کا ہونا جن کے نام سے یہ منسوب ہیں' محل نظر ہوگا۔ کیونکہ اللہ کے ان نیک بندوں کے لئے' جو خوف الٰہی سے لرزہ براندام رہتے تھے' باقاعدہ اپنی حاجات کے طلب کا مسودہ لکھنا' اسے یاد رکھنا اور نماز کے بعد اسے مسلسل بطور وظیفہ پڑھنا قرین عقل معلوم نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ ان طویل دورانیے کی دعاؤں کا کوئی مسودہ' خود ان صاحبان کرامت کے اپنے ہاتھ سے دستخط شدہ نہیں ملتا۔ اور یہ کہ نہ اس زمانے میں ضبط صوت کی کوئی صورت تھی اور نہ ادائیگی کے لمحوں میں سن کر' لکھ لینے والا کوئی کاتب ہی ان دعاؤں کے لئے موجود پایا گیا۔ پھر ان عبارتوں کی بلاغت بیان' ان میں علم بیان کی خوبیاں' صنعت مراعات النظیر' تنسیق الصفات' لف و نشر' تضاد' تجنیس' تلمیح' کنایہ کا وافر ہونا' مسجع اور مقفٰی کلام کی صفات سے ان کا معمور ہونا' یہ سب باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ یہ غور و فکر' تعمق' حک و اصلاح کا ایک نہایت عمدہ نتیجہ اور عمل تصنیف سے گزرنے والا ادب و انشاء کا ایک باقاعدہ عمل ہیں۔ جبکہ دعا حرف بے ساختہ سے پیدا ہوتی ہے جو دل کی گہرائیوں سے فی الوقت ابھرتی اور جذبوں کی آگ میں پگھل کر رہ جاتی ہے۔ بلا شبہ اصول درایت کے اعتبار سے وہ دعائیں جو مصدقہ طور پر بزرگان سلف کے وظائف میں ملتی ہیں' ان دعاؤں کی حیثیت حاذق طبیب کے نسخوں کی مانند ہے۔ خواہ وہ طبیب آج ہم میں نہیں مگر مختلف امراض کے لئے ان کے تجویز کردہ نسخے آج سینکڑوں برس بعد بھی قابل

استعمال ہیں- ان میں کچھ ایسے قابل یقین مجرب نسخے ہیں کہ ان کی اکسیر پر ذرہ سا بھی شبہ نہیں کیا جا سکتا- یہ دعائیں بالخصوص قرآنی دعائیں' جن کا مجرب ہونا' قرآنی واقعات میں صریحاً لکھ دیا گیا ہے' کامیابی اور رسائی کا ایسا ہی نسخہ ہیں- بلاشبہ ائمہ اہل بیت' اصحاب پیغمبر اور خود احادیث پیغمبر سے بھی جو دعائیں مصدقاً ماخوذ ہیں' ان کی حیثیت بھی کچھ ایسی ہی ہے- البتہ یہ دعائیں لفظ بہ لفظ ویسی ہی ہیں اور ایسے ہی تناظر واقعات کے لئے ہیں جیسا کہ کہا جاتا ہے- یہ معاملہ دیگر مرویات کی طرح ضرور محل نظر ہے- لہٰذا ان کا قرآنی دعاؤں کی طرح زود اثر ہونا ایسا ثابت نہیں کیونکہ کسی بھی نسخے کا کوئی ایک جزو ترکیبی بھی کم و بیش ہونے پر وہ غیر موثر ہو سکتا ہے- لیکن جب ہم قرآن مجید کی محکمی' استواری' صحت واقعات اور تناظر کو دیکھتے ہیں تو یہ دعائیں جو قرآن مجید کے علاوہ طریق سنت اور ولوی طریق سے ملتی ہیں ان کا رتبہ وہ نظر نہیں آتا جو قرآنی دعاؤں کا ہے- جہاں تک قرآن مجید کی واقعاتی دعاؤں کا معاملہ ہے' وہ بلاشبہ من و عن ہیں- ان کے محل وقوع' نزول اور تاثیر پر بھی قرآنی شہادتیں موجود ہیں- ان دعاؤں کو تطابق واقعات اور انہی جیسے حالات میں آج بھی مانگا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ اطمینان قلب کا باعث نہ بنیں اور درجہ قبول تک نہ پہنچیں-

دعا کی طرف پروردگار اپنے بندوں کو بار بار متوجہ کرتا ہے' اگر یہ محض توجہ دلانا ہوتا اور اس کی غایت کچھ نہ ہوتی تو یہ فعل عبث ہوتا- لہٰذا معمولی سا غور و فکر بھی اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ جس دعا کی تاکید کی گئی ہے' اس دعا کا سنا جانا بھی لازم ہے- البتہ یہ ضرور ہے کہ ہم جسے دعا سمجھ رہے ہیں ممکن ہے وہ تقاضہ دعا کو پورا نہ کرتی ہو- اس لئے طلب میں امید کے ساتھ

ساتھ خوف کو بھی دامن گیر رکھنا اور یہ خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ دعا طلب کرنے والے کے استحقاق سے آگے نہ بڑھ جائے، یعنی کسی بھی ایسی خواہش کو صورت دعا میں لے آنا جو مانگنے والے کے بہ ظاہر استحقاق سے زیادہ ہو یہ بھی اعتداء ہے اور اعتداء اللہ کو ناپسند ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا (الاعراف : ۵۶-۵۵)

ترجمہ: "تم اپنے رب سے دعا کرو گریہ و زاری کے ساتھ۔ (مگر) وہ زیادہ بڑھ جانے کو پسند نہیں کرتا۔ اور نہ پھیلاؤ گمرہی زمین پر ہدایت آنے کے بعد اور پکارو اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ۔"

واقعات دعا :

قبول حاجات کے لئے موثر دعائیں

واقعات دعا :

دعا کے واقعات میں پہلا نمونہ عمل حضرت آدم و حوا علیہما السلام کی دعا کو قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن یقین کرنا چاہئے کہ ہماری رسائی صرف ان لفظوں تک ہے جو ہمارے ان بزرگوں کی زبان پر جاری ہوئے۔ ہمیں فی الاصل اس رقت، قلبی کیفیت اور روحانی اضطراب کا کامل اندازہ نہیں ہو سکتا جو ان دونوں کے قلب پر اس لغزش کے بعد طاری تھا۔ اللہ اکبر! یہ کیسی بے چینی، اضطراب اور خالص عذر خواہی تھی جس کی تاثیر سے ان دونوں کی دعا قبول ہوئی۔ یہ کس قدر اہم، نتیجہ خیز اور سبق آموز واقعہ ہے جو خود قرآن مجید فرقان حمید نے مثالاً بیان کیا :

لغزش پر حضرت آدم علیہ السلام کا استغفار

(دعا : خطا اور لغزش پر معافی کے لئے)

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ ۝ (الاعراف : ۲۳)

"ان دونوں (آدم و حوا) نے کہا اے ہمارے رب! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا اور اگر تو ہماری مغفرت نہ کرے اور ہم پر رحم نہ فرمائے تو ہم یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے ہیں۔"

واقعہ یہ ہے کہ اللہ نے آدم و حوا دونوں سے کہا: تم ایسا نہ کرنا (کہ اس درخت کے پاس جاؤ) ورنہ خطا کار ہو جاؤ گے۔ مگر یہ اس درخت کے پاس چلے گئے (اور اس کا پھل کھا لیا) چنانچہ قدرت نے ناگوار محسوس کیا اور جنت سے باہر کر دیا۔ یقیناً پروردگار کا ان کے اس عمل پر ناپسندیدگی کا اظہار کرنا ہی آدم و حوا کے لئے سب سے بڑا خسارہ تھا۔ چنانچہ پروردگار نے حضرت آدم کو اس دعا کی تعلیم دی۔

یقیناً قبول دعا کے لئے خداوند عالم کا بتلایا ہوا یہ قرینہ آدم اور اولادِ آدم کے لئے بہترین راستہ ہے لیکن شرط یہ ہے کہ ان لفظوں کا محض پڑھنا مقصود نہ ہو، اپنی خطا کے کامل احساس اور قلب کی انتہائی رقت کے ساتھ عاجزی و انکساری سے، سر بار بار خاک آلودہ زمین پر رکھ کر، معافی طلب کی جائے۔ مزہ تو جب ہے کہ احساس خطا کے اس سجدے میں زمین آنسوؤں سے بھیگ کر رہ جائے۔ اقرار گناہ کے معاملے میں اللہ کی بے کراں رحمت و رافت کے حوالے سے بعض عرفاء کا یہ لطیف نقطہ نظر بھی پیش نگاہ رہے کہ جس گناہ پر اصرار نہ ہو، شرمساری اور ندامت کے خیال سے اس گناہ کا اقرار نہ کرنا بھی

وجہ رحمت بن سکتا ہے۔ بقول غالب :

رحمت اگر قبول کرے کیا بعید ہے
شرمندگی سے عذر نہ کرنا گناہ کا

سخت پریشانی، مشکل اور بیماری سے نجات کی دعا :

حضرت ایوب علیہ السلام کی مصیبتیں جب حد سے گزر گئیں، مال و اموال، مویشی، اولاد جب سب کچھ چھن چکا، بیماری نے آ گھیرا یہاں تک کہ بدن میں کیڑے پڑ گئے، لوگوں نے بدشگون سمجھ کر ان میاں بیوی کو بستی سے نکال باہر کیا۔ حضرت ایوب اب بہت پریشان ہوئے۔ قدرت نے وحی کی کہ یہ کہو:

أَنِّي مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۝ (الانبیاء : ۸۳)

"اے میرے پروردگار! میں سخت مشکل میں ہوں، آسانی فرما۔ تو سب سے بڑا رحم فرمانے والا ہے۔" ہرچند کہ صبر کے بندھن کا اس طرح ٹوٹ جانا اور انتہائے مشکل میں اپنے پروردگار سے کہنا کہ معبود "سخت مشکل میں ہوں" بعض اہل اللہ کے نزدیک یہ پکار بھی آداب صبر کے خلاف ہے۔

آپ نے "مَسَّنِيَ الضُّرُّ" کہا ہے تو سہی!
یہ بھی: اے حضرت ایوب، گلہ ہے تو سہی

ظاہر ہے کہ یہ لفظ وہی ہیں جو حضرت ایوب کی زبان پر جاری ہوئے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس دعا کے نتیجے میں نبی اللہ کو صحت بھی میسر آئی تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ لفظ تاثیر دعا سے اب خالی ہوں۔ اگر آج بھی کوئی شخص کامل یقین، عاجزی، بندگی اور رقت قلب کے ساتھ اپنی بیماری (یا کسی اور اپنے جیسے کی بیماری) کی شفا کے لئے ان لفظوں کے ساتھ اپنے معبود کی بارگاہ میں گڑگڑائے،

بھلا کیوں کر، دعا قبول نہ ہو جائے۔

ہر نبی و ولی نے اپنی اپنی ضرورت کے وقت خدا سے دعا مانگی۔ حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ و آلہٖ، حضرت ابراھیم، اسمٰعیل، موسیٰ، عیسیٰ، یعقوب، یوسف اور نوح جیسے اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کی بہت سی دعاؤں کا تذکرہ قرآن مجید مین ملتا ہے۔ ان سب دعاؤں میں دعائے ذوالنون (یونس علیہ السلام) کا واقعہ بھی عجیب تر ہے۔ قرآن مجید کی بلاغت بیان نے اسے اور بھی زیادہ موثر و محکم بنا دیا ہے۔

مچھلی کے پیٹ میں حضرت یونس (ذوالنون) علیہ السلام کی دعا :

فَنَادٰی فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (الانبیاء : ۸۷)

قرآن مجید کہتا ہے: "پس وہ مشکلات میں پکارا کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو پاک ہے۔ میں اپنے اوپر ظلم کرنے والوں میں سے ہوں۔" یہ دعا اس مرحلے کی ہے جب مچھلی نے انہیں نگل لیا، تب وہ اس کے پیٹ کے گھپ اندھیرے میں تسبیح و مناجات کرتے اور اپنی لغزش پر اپنے پروردگار سے معافی چاہتے تھے۔ بات بھی بہ ظاہر کوئی ایسی خطا والی نہ تھی۔ اپنی امت سے تنگ آکر کہ وہ خدا کی نافرمانی میں بہت آگے بڑھ گئی تھی، دعائے بد کر دی۔ عفوودرگزر کے مثالی کردار اور معیار نبوت کے اعتبار سے اس بات کو بھی انہوں نے اپنی لغزش شمار کیا۔ قدرت کہتی ہے، ہم نے اس کی یہ دعا قبول کی (اسے مچھلی کے پیٹ سے باہر لا ڈالا) ہم اسی طرح مومنوں کو پریشانیوں اور آلام سے نجات دیتے ہیں اور یہ کہ ہم نے اسے اپنے اظہار کے معاملے میں مخلص پایا۔ وہ ہمیں یاد کرنے والا تھا،

اگر اس طرح یاد نہ کرتا تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں پڑا رہتا۔)

جناب یونس (ذوالنون) کے لئے یہ جو کہا ہے کہ وہ ہمیں یاد کرتا اور پکارتا تھا کوئی معمولی بات نہیں۔ نہ معلوم رقت قلب، خشیت الٰہی اور اخلاص قلب کی وہ کون سی منزل ہوگی جس کے سہارے جناب یونس نے اس قید سے رہائی پائی۔ کیونکہ قید من جانب اللہ باالالتزام تھی۔ خدا معلوم عاجزی اور عبودیت کا وہ کون سا طور تھا جس نے عتاب کو، عطا اور تقدیر کو بدا سے بدل دیا۔(۱)

جناب یونس علیہ السلام کی یہ دعا اور ان کا شکم ماہی سے زندہ نکل آنا، مشکل سے مشکل بلکہ ناممکن امور میں قبول دعا کی ایسی محکم دلیل ہے جس کا اظہار خود قدرت نے ان لفظوں میں کیا ہے:

فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ (الصّٰفّٰت : ۱۴۳)

"اگر وہ مچھلی کے پیٹ میں دعا نہ کرتا تو قیامت تک وہیں مچھلی کے پیٹ میں پڑا رہتا" پروردگار نے یہاں اپنے حکم اور اختیار پر مباہات کا اظہار اس لئے کیا ہے کہ وہ ایک ارادہ کر چکا تھا لیکن دعا کی پُر زور طاقت اور اثر آفریں قوت نے اس ارادے کو بدل دیا۔ جیسا کہ سورہ یوسف میں خود ارشاد فرماتا ہے:

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى أَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ٥ (آیت : ۲۰)

(وہ اپنے حکم پر مختار ہے (جب چاہے جو کرے) مگر اکثر لوگ یہ بات نہیں جانتے۔)

اس واقعے سے صریحی طور پر یہ بات معلوم ہوئی کہ دعا، حکم الٰہی کو

---

(۱) مسئلہ بداء پر تعلیقہ کتاب کے آخر میں ملاحظہ کیجئے۔

بدل سکتی ہے۔ ممکن ہے کہ وہ حکم مقدر نہ ہو۔ بقول جناب امیر معلق ہو یا ممکن ہے کہ اسے تدبیر سے مشروط کر دیا گیا ہو! غور فرمائیے: یہی صورت' بیماری میں دوا اور پریشانی میں دعا کی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی بیماری کو ہمارے لئے مقدر کر دیا گیا ہو' لیکن ہمیں یہ ہرگز معلوم نہیں کہ ہمارا مقدر کیا ہے اس لئے دوا اور تدبیر کی راہ کھول دی گئی ہے تاکہ شفا اگر دوا سے اور خواہش و مشکل تدبیر و دعا سے مشروط کر دی گئی ہو تو پوری ہو جائے۔

والدین کی بخشش کے لئے دعا :

ہم اپنے ماں باپ کے لئے خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ' خواہ ان میں سے کوئی ایک زندہ ہو' ایک مردہ' ان کے لئے ہماری طرف سے سب سے بڑا خیر یہ ہے کہ ہم ان کی بخشش و مغفرت کے لئے دل سوزی' انکسار اور عاجزانہ التجا کے ساتھ فرصت کے ہر لمحے میں دعا کرتے رہیں۔ حضرت ختمی مرتبت ﷺ بھی والدین کی مغفرت کے لئے ایسی ہی دعا فرماتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا بھی مغفرت والدین کے لئے بڑی موثر اور مقبول دعاؤں میں شمار کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ بعض نمازوں میں بھی دعائے قنوت کی حیثیت سے پڑھی جاتی ہے۔ دعا یہ ہے:

رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ (سورہ ابراہیم:۴۱)

"مجھے' میرے باپ کو اور مومنین کو اپنی پناہ میں رکھ جب روز حساب آئے۔"

ماں باپ کے لئے نیکی اختیار کرنے کی قرآن مجید نے جس قدر تاکید

کی ہے' اس کے حوالے سے اس دعا کو دیکھئے تو یقین ہو گا کہ خود پروردگار کی جانب سے جس عمل خیر کی ترغیب دلائی گئی' جس کی رغبت پر اصرار کیا گیا' اس عمل خیر میں کامیابی کا نسخہ بھی تجویز کر دیا۔ پھر یہ کیوں کر ممکن ہے کہ بندہ اس جادہ حق پر گامزن ہو اور منزل مراد (بخشش والدین) تک نہ پہنچ پائے۔

جامع دین و دنیا : دعا
زراعت' تجارت' محنت' ملازمت کے اندیشہ نقصان میں۔

سورہ البقرۃ میں حج کے موقع پر مسلمانوں کو اس دعا کی تاکید کی گئی ہے۔اس تاکید کا لب لباب یہ ہے کہ مانگنے والا بندہ صرف دنیا کی بہتری ہی کی دعا نہ کرے۔ اس کو چاہئے کہ وہ دین اور دنیا' دونوں منزلوں کی کامیابی کا خواہاں رہے۔ محض ایک طرف کا ہو کے نہ رہ جائے۔ نہ محض دنیا کا بندہ بن کر' اور نہ محض آخرت کا۔ جامع دین و دنیا ہونا ایمان کی ایک تکمیلی صورت ہے۔ چنانچہ اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنے کے لئے یہ دعا جامع دین و دنیا تعلیم فرمائی:

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرہ : ۲۰۱)

اور کوئی ان میں سے کہتا ہے: "اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی۔ اور ہمیں آگ (دوزخ) کے عذاب سے بچا۔"

حضرت ختمی مرتبت ﷺ اس دعا کو بہ کثرت پڑھتے تھے اور مسلمانوں کو اس کے پڑھنے کی تاکید کرتے تھے۔ آپ ﷺ ہر مشکل مرحلے میں اور اکثر امور دنیا میں اس کا ورد کرتے تھے۔ بہت سی احادیث سے پتا

چلتا ہے کہ آپ لوگوں کو اس بات کی سخت تاکید فرماتے تھے کہ دین اور دنیا دنوں کی بہتری کی دعا مانگیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ دعا آپ نے کئی پریشان حال لوگوں کو خصوصاً اور تاکیداً بتلائی۔ چنانچہ اب جو کوئی شخص اپنے دین و دنیا کی بھلائی چاہے' زراعت' تجارت' محنت اور ملازمت کے معاملات میں نقصان کا اندیشہ رکھے' اس کے لئے یہ دعا ایک موثر ذریعہ کامیابی کا ہے۔

عزیز ترین لوگوں کو' اولاد کو' بیٹوں کو رخصت سفر کی دعا:

دعا کے ذکر میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا یہ واقعہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے جب مصر سے واپسی پر کہا کہ ہمیں وہاں کے حاکم نے غلہ دینے کی شرط یہ ٹھہرائی ہے کہ ہم بطور ضمانت اپنے چھوٹے بھائی بن یامین کو وہاں لے جائیں۔ حضرت یعقوب نے یہ سنا تو بہت گھبرائے۔ بے شک غلہ ان کے علاقہ کی ضرورت تھی ورنہ قحط پڑ جاتا اور امت بھوکوں مر جاتی۔ اللہ کے پیغمبر اپنے ایک بیٹے (یوسف) کا دکھ پہلے ہی اٹھا چکے تھے۔ اب وہ بن یامین کے معاملے میں بھی اپنے ان بے اعتبار بیٹوں کی طرف سے خائف ہوئے لیکن امت کی خاطر یہ رنج بھی سہہ لیا اور اسے جانے دیا۔ جب اسے رخصت کر دیا تو خیال آیا کہ یوسف کے رخصت کے وقت بھی یہ دعا نہیں پڑھی تھی۔ اب اس بیٹے کو رخصت کرتے وقت بھی یہ دعا نہیں کی۔ یہ سوچ کر اس راستے پر دوڑے جس پر بن یامین جا رہے تھے۔ مگر بعض نے کہا ہے کہ بن یامین کو واپس بلوایا اور یہ دعا پڑھی:

فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (یوسف : ۶۴)

"پس اللہ سب سے بہتر نگہبان ہے اور وہ ہر مہربان سے بڑھ کر مہربان ہے۔"

اس دعا سے چند واضح نتائج سامنے آتے ہیں :-

ایک یہ کہ کسی بھی عزیز تر جان کے رخصت کے وقت یہ دعا موثر ہوگی۔

ایک یہ کہ بیٹے کے رخصت سفر کے وقت امان و حفاظت کے لئے یہ دعا کارگر ہوگی۔

ایک یہ کہ بخیریت واپسی اور کامیاب انجام کے لئے یہ دعا منتخب اور مخصوص ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس قدر روشن مثال کے ہوتے ہوئے بھی ہم ایسی صورت حال میں اس دعا کا استعمال نہ کریں۔

خواہش اولاد کی دعا :

حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر بھی قرآن مجید نے دعاؤں کے حوالے سے بالخصوص کیا اور کہا کہ زکریا اور اس کی بیوی دونوں اپنے خدا کو چپکے چپکے یاد کیا کرتے، امید پوری ہونے پر بھی اور ناامیدی میں بھی۔ وہ دونوں اپنے پروردگار کو مچل مچل کر اور ٹوٹ ٹوٹ کر یاد کرنے والے تھے۔

جناب زکریا کے بارے میں ہے کہ وہ اپنے خدا کے نہایت دعا گزار بندے تھے۔ ایک بار بڑی آہستگی سے اپنے رب کو پکار کے کہنے لگے کہ اے معبود! میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں اور سر، بالوں کی سفیدی سے چمکنے لگا ہے اور اے میرے رب ! تجھ سے دعا کر کے میں (کبھی) ناکام بھی نہیں رہا۔ مجھے اپنے اردگرد کے لوگوں سے اپنے بعد ڈر بھی آتا ہے (شاید کہ یہ طعنوں کا ڈر ہو) اور

میری عورت بانجھ بھی ہے' سو مجھے اپنے خزانہ نعمت سے ایک فرزند عطا کر دے۔ فَهَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا (سورہ مریم) جناب زکریا کی اولادِ صالح کے لئے یہ طلب سورہ آل عمران میں ان لفظوں کے حوالے سے بھی ملتی ہے:

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَاءِ (آل عمران : ۳۸)

"اے میرے پروردگار! مجھے اپنے خزانے سے پاکیزہ اولاد عطا کر۔ بے شک تو دعا سننے والا ہے۔"

اولاد نرینہ مانگنے کا یہ انداز دعا بھی خوب تھا۔ ایک تو یہ کہ خاموشی سے دعا کی اور پھر اس اعتماد اور کامل یقین و اقرار نعمت کے ساتھ دعا کی کہ تو نے پہلے کبھی میری کسی دعا کو رد نہیں کیا۔ بھلا اب اس دعا کو کیونکر رد کردے گا۔

اخلاص نیت' عاجزی اور یقین قبول کی کس بلند منزل پر فائز ہو کر یہ دعا جناب زکریا نے کی کہ وحی ہوئی: "اے زکریا ہم تجھے ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ اس کا نام یحیٰ ہے۔ ہم نے اس جیسا پہلے کوئی نہیں بنایا۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اپنے لئے اولاد کی دعا کرتے تھے۔ چنانچہ اسی دعا کے طفیل' انہیں بڑھاپے میں حضرت اسمٰعیل و اسحٰق علیہما السلام عطا ہوئے۔ اسی عطا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَاءِ (سورہ ابراہیم آیت ۳۹)

(کچھ شک نہیں کہ میرا پروردگار یقیناً دعاؤں کا سننے والا ہے۔)

ان واقعات دعا سے ثابت ہوتا ہے کہ:

ایک عام آدمی سے لے کر نبی محترم تک' خدا کی بارگاہ میں سب سائل اور سب محتاج دعا ہیں اور یہ کہ طلب حاجت یوں کی جائے کہ پہلے اقرار

نعمت ہو اور اعتماد قبول پیدا کیا جائے اور یہ کہ طلب حاجت سے پہلے' نہایت عاجزی اور انکسار کے ساتھ ان مشکلات و (بہ ظاہر) ناممکنات کا اقرار بھی کیا جائے جو قبول دعا میں حائل ہیں۔

سواری پر سوار ہوتے وقت' منزل تک بہ سلامتی پہنچنے کی دعا :

حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی پر سوار ہوتے ہوئے' سیلاب بلا سے کامیاب گزر جانے اور منزل مقصود پر جا اترنے کی ان لفظوں میں دعا کی اور وہ کامیاب ہوئے :

رَّبِّ أَنزِلْنِي مُنزَلًا مُّبَارَكًا وَأَنتَ خَيْرُ الْمُنزِلِينَ (المؤمنون : ۲۹)

یہ دعا بھی منجملہ ان دعاؤں کے ہے جو خاص حالتوں میں خدا سے مدد مانگنے کا طریقہ بتلاتی ہیں۔ لہٰذا جب کوئی شخص اپنی سواری پر سوار ہو تو کامیابی کے ساتھ منزل مقصود تک پہنچنے کی ان لفظوں میں دعا مانگے۔

مخالفوں اور دشمنوں کے درمیان گھر جانے پر خدا کی مدد کا طالب ہونا :

جب نوح علیہ السلام کی قوم نے انہیں جھٹلایا اور کہا کہ یہ دیوانہ ہے اور انہیں برا بھلا کہا۔ تب آپ پکارے

فَدَعَا رَبَّهُ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِرْ (سورہ القمر : ۱۰)

"اے میرے رب میں گھر گیا ہوں (برے لوگوں میں) میری مدد فرما۔"

قدرت نے کہا: ”ہم نے نوح کی یہ دعا قبول کی۔ ہم نے کھول دئے آسمان کے دروازے برستے ہوئے پانی کے لئے اور بہا دئے زمین کے چشمے۔ پھر ہم نے اسے تختوں اور میخوں والی کشتی پر سوار کر دیا۔ پھر ہم نے چلائی ایک سخت آندھی نحوست والے دن۔ وہ لوگوں کو یوں اڑا کر پھینکتی تھی جیسے کھجور کے تنے ہوں۔“

حضرت نوح علیہ السلام کے واقعات بتلاتے ہیں کہ وہ اپنے مخالفوں پر غالب آئے اور ان کے گھر کے افراد بیٹے اور بیوی تک جو ان کے نافرمان اور سرکش تھے، ان کی تبلیغ کا راستہ نہ روک سکے۔ حضرت نوح نے اپنے آپ کو تنہا پا کر اللہ سے مدد طلب کی۔

اب اگر ہم میں سے کوئی اپنے آپ کو مشکلات میں گھرا پائے یا خوف، ناامیدی اور دباؤ کی حالت میں محسوس کرے تو اپنے پروردگار سے انہی لفظوں میں دعا مانگے اور اس یقین کے ساتھ مدد مانگے کہ عین یہ وہی لفظ ہیں جو اللہ کے برگزیدہ نبی کی زبان پر جاری ہوئے اور انہیں پروردگار نے قبول فرمایا۔

رزق کی وسعت کے لئے دعا :

ایسی ہی مقبول دعاؤں میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا ہے جو انہوں نے اپنی قوم کی خاطر فراخی رزق اور دسترخوان کی وسعت کے لئے مانگی تھی:

اَللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ (المائدۃ : ۱۱۴)

"اے اللہ ہمارے، پروردگار، ہمارے لئے آسمان سے ایسا کھانا اتار کہ وہ ہمارے اور ہم میں سے اگلوں اور پچھلوں کے لئے ایک جشن (بڑی خوشی) بن جائے اور تیری طرف سے ایک نشانی قرار پائے۔ تو ہمیں رزق دے کہ تو ہی بہترین رزق دینے والا ہے۔"

یہی وہ دعا ہے جس کے نتیجے میں امت عیسیٰ پر آسمان سے خوان نعمت اترا، اور وہ طرح طرح کی نعمتوں سے سرفراز ہوئے۔ ہر گھر قوم عیسیٰ کا، کھانے پینے کی چیزوں سے مالا مال ہوگیا۔ ہرچند کہ اس بدنصیب قوم نے خداوندِ عالم کی ناشکر گزاری کی اور نعمتوں کے اقرار میں بخل کیا۔ پھر خدا نے ان سے یہ نعمت (جو دراصل ایک سہولت تھی) چھین لی۔ خیال رہے کہ اوپر سے اترنا ایک اصطلاح عام ہے، دگرنہ پروردگار کا یا اس کی نعمتوں اور ذخیرہ انعام و عطا کا محض، اوپر آسمان کی طرف ہونا پروردگار کے مقیم اور معین ہونے کی دلالت بن جائے گا، حالانکہ ایسا نہیں۔ وہ مشرق و مغرب، شمال و جنوب، اوپر یا نیچے کی طرف ہونے سے قطعاً مبرا ہے۔ اسی کو تنزیہہ کہتے ہیں۔

مذکورہ دعا وسعت رزق کے لئے اثر آفریں دعا ہے۔ بس شرط اتنی ہے کہ اس کا ادا کرنے والا کامل یکسوئی اور قلب کی انتہائی گہرائیوں کے ساتھ رقت اور عاجزی کے ساتھ ہردم (جب کبھی موقعہ ملے) اسے پڑھتا رہے اور یہ سوچ کر پڑھے کہ اس کے پڑھنے سے ایک بڑی قوم نے اپنی مراد پائی ہے۔

مقدمے میں بریت اور کامیابی کی دعا :

یہ دعا حضرت شعیب علیہ السلام نے اس وقت کی جب ان کے اور

ان کی قوم کے درمیان اختلاف پیدا ہوگیا۔ آپ نے اپنے پروردگار سے کہا کہ میرے معاملے (مقدمے) میں میری مدد فرما:

رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِيْنَ ٥

(الاعراف : ۸۹)

"اے ہمارے پروردگار! ہم میں اور ہماری قوم میں ٹھیک فیصلہ فرما۔ کیونکہ تو فیصلہ کرنے والوں میں سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔"

اس دعا کے بارے میں احادیث سے ثابت ہے کہ یہ مقدمات اور تنازعات کے سلسلے میں طلب خیر کے لئے بے حد مفید ہے مگر شرط صرف اتنی ہے کہ طلب خیر کرنے والا حق پر ہو۔

کامیابی سے داخل ہونے اور کامیابی کے ساتھ پلٹنے، کسی حاکم کے پاس کسی مقصد کے لئے جانے، کسی مقصد سے سفر کرتے وقت کی دعا :

رَبِّ أَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّأَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِيْرًا ٥ (بنی اسرائیل : ۸۰)

"اے پروردگار ہمارے! مجھ کو تو سچائی (حق کی کامیابی) کے لئے لے جا اور جب واپس لا تو سچائی کے ساتھ واپس لا اور میرے لئے اپنی طرف سے حاکم (حکومت، قوت) کو میرا مددگار بنا دے۔"

اس دعا کا محل اصل یہ ہے کہ حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکے سے مدینے کی طرف ہجرت کی تو آپ نے اس سفر کو اپنے لئے صبر آزما جانا۔

نیا شہر، نئے لوگ اور مدینے کے ارد گرد یہود و نصاریٰ کی طاقت، یہ سب مشکلات تھیں جن کے پیش نظر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دعا مانگی۔

اس دعا کی تعریف میں جہاں اور بہت سی باتیں احادیث مبارکہ میں ملتی ہیں، ایک یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو اپنی کامیابی سفر کی راہ میں حاکم، حکومت یا قوت سے مزاحمت و مخالفت کا ڈر ہے تو خاص طور پر اس دعا کو پڑھے۔ مگر یہ جان کر پڑھے کہ پیغمبر اسلام نے ان لفظوں کو ادا کیا ہے اور تصور کرے کہ وہ کس قدر صبر آزما حالات ہوں گے جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو درپیش تھے اور یقین کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس طرح اپنے مقصد میں کامیاب ہوئے، ان کی اس دعا کے طفیل مجھے بھی کامیابی حاصل ہوگی۔

یہ سب دعائیں اپنے اپنے مقام پر طلب حاجت کے لئے ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ قرآن مجید میں صرف یہی دعائیں ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ قرآن مجید کے اکثر مضامین میں دعا کا کوئی نہ کوئی پہلو ضرور موجود ہے۔ لفظاً اور معناً بہت سی دعائیں قرآن مجید، احادیث مبارکہ، اقوال ائمہ اہل بیت اور اصحاب کرام سے مروی ہیں، جن کا اس مضمون زیر نظر میں ذکر نہیں۔ ان دعاؤں کے انتخاب میں سب سے اہم بات جو مد نظر رکھی گئی ہے وہ یہ ہے کہ یہ مختصر ہوں، ایسے لفظوں والی ہوں جو ہمارے معاشرے کے عام لوگوں کے کان میں پڑتے رہتے اور نظر سے گزرتے رہتے ہیں تاکہ ان کے یاد کرنے اور ادا کرنے میں سہولت ہو اور اس بات کا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ یہ ان معاملات اور حاجات کے مطابق ہوں جن سے ہماری روز مرہ زندگی کا قریبی تعلق ہے۔

حالت جنگ میں (کافر دشمن سے) مقابلے کی دعا' ثابت قدمی' صبر اور نصرت کے لئے :

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ

(البقرۃ : ۲۵۰)

"اے پالنے والے ہمارے! صبر کی قوت ہم میں بڑھا دے اور قدم ہمارے جما دے (مضبوطی سے) ہمیں فتح مند کر' اپنے انکار کرنے والے لوگوں پر۔"

یہ دعا مانگی تھی پیغمبر حضرت طالوت علیہ السلام نے جب ظالم جالوت ان کے مقابلے پر آیا۔ وحی ہوئی کہ اے طالوت! اس دعا کو پڑھو۔

غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ دعا' طلب حاجت کا ایک خاص ضابطہ ہے وگرنہ جو پروردگار دعا اور طلب کی تعلیم کر رہا ہے وہی تو' قضا و قدر کے فیصلوں پر مختار ہے۔ بھلا یہ کیا معاملہ ہے کہ تمام فیصلے (بشمول فتح و شکست کے) وہ خود کرنے والا ہے اور چاہتا بھی ہے کہ اس کے عزیز بندے (نبی) کو کامیابی حاصل ہو اور خود ہی کامیابی اور ناکامی دینے والا ہے مگر اپنے نبی کو دعا کی راہ دکھلا رہا ہے۔ گویا: دعا طلب خیر کے لئے عاجزی' بندگی اور عبودیت کا ایک پسندیدہ راستہ ہے۔

سوار ہوتے وقت کی ایک اور دعا :

جب کوئی شخص جانور (یا سواری) پر سوار ہو' خاص طور پر ایسے جانور یا سواری پر جو سوار ہونے والے کی نسبت زیادہ قوی' سرکش اور تیز ہو تب یہ دعا پڑھے:

سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِیْنَ (الزخرف : ۱۳)

"وہ پاکیزہ ذات ہے جس نے ہماری خاطر اس (جانور' سواری) کو کام میں لگایا' (وگرنہ) ہم اسے قابو میں رکھنے والے نہ تھے۔"

احادیث سے ثابت ہے کہ نبی اکرم ﷺ' ان کے اہل بیت و اصحاب جب کسی سواری پر سفر اختیار کرتے تو یہ دعا بہ کثرت پڑھتے۔

زمانہ حال میں چونکہ جانور کی سواری کا رواج ایسا عام نہیں' مکینیکل سواریوں موٹر سائیکل' کار' جہاز' بکتر بند گاڑیوں اور خلائی تحقیق کے سیاروں کی سواری سے انسان کا واسطہ پڑتا ہے' لہٰذا یہ مذکورہ دعا ایسی تمام سواریوں پر سفر کرتے وقت امن و حفاظت اور اطمینان قلب کا وسیلہ ثابت ہو سکتی ہے۔

زیغ سے بچنے کی دعا : جب دین کے معاملات پر شک و شبہات سر اٹھائیں :

دین حق اور حاکمیت الٰہی پر جب دل و دماغ میں وسوسے سر اٹھائیں' متشابہات کے ذریعے احکام الٰہی میں جب تأمّل پیدا ہونے لگے' دل و دماغ کی یہ کجی' زیغ کہلاتی ہے۔ قرآن مجید نے اس زیغ سے بچنے کی ہدایت کی ہے۔ حضور نبی کریم ﷺ نے بھی امت کو اس دعا کی تعلیم کی۔ دعا یہ ہے:

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ (آل عمران : ۸)

"اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ہدایت سے ہٹنے نہ دے' اس کے بعد کہ تو

ہمیں ہدایت دے چکا اور عطا فرما ہمیں اپنے خزانہ دولت سے رحمت۔ بے شک تو ہی بہت عطا کرنے والا ہے۔"

یہ دعا خاص طور پر ان کثیر المطالعہ "روشن خیال" لوگوں کو لازم ہے جو وسعت مطالعہ، ادراک اور منطق استدلالی کے نتیجے میں دین و مذہب کے بارے میں طرح طرح کے شکوک و شبہات کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔

درود پاک: بجائے خود ایک دعا ہے :

اسلام کی عملی اور ذکری عبادات میں درود کی ہمیشہ سے فضیلت و اہمیت مسلّم رہی ہے۔ قرآن مجید نے اہل ایمان سے کہا ہے کہ وہ درود ضرور بھیجا کریں کہ خود خداوند عالم اور اس کے فرشتے بھی حضرت ختمی مرتبت ﷺ پر درود بھیجتے رہتے ہیں۔

بعض احادیث مبارکہ میں وارد ہوا کہ حضور ﷺ نے تنگ دست اور پریشان حال لوگوں کو ردِّ مشکلات کے لئے درود پڑھنے کی تلقین کی۔ لہٰذا اگر کوئی شخص چاہے کہ وہ پریشانیوں سے محفوظ رہے تو لازم ہے کہ درود کا ورد جس قدر ممکن ہو، زیادہ سے زیادہ کرتا رہے۔ علماء نے کہا ہے کہ بخشش والدین کے لئے اولاد کی طرف سے سب سے بہتر ایصالِ ثواب تحفہ درود ہے۔ درود ایک ایسی عبادت ہے جس کے لئے کسی تقاضے اور تکلف کی چنداں ضرورت نہیں مگر اس کا ثواب بے حد وحساب ہے۔ آپ خود اندازہ کیجئے کہ جس عمل خیر میں خود پروردگار عالم شریک ہو، اس عمل کا مقام و مرتبہ کس قدر بلند ہوگا۔ درود پڑھنے سے خود پڑھنے والے کو بھی ثواب ملتا ہے اور اس پر اللہ اپنی

رحمتیں و برکتیں نازل کرتا رہتا ہے۔

درود پڑھنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور ان کی آل اطہر سے محبت کی نشانی بھی ہے اور ان خدمتوں کا ایک اعتراف بھی ہے جو دین ہدیٰ کے لئے ان بزرگوں نے سرانجام دیں۔ درود کی فضیلت کا اس سے بڑا اقرار اور کیاہو گا کہ ہر نماز میں تَشَہُّد کے بعد اس کا پڑھنا فرض عین قرار دیا گیا۔ اسی لئے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "اے آل محمد! آپ کی عظمت و برکت کا کیا کہنا' کسی نماز پڑھنے والے کی نماز اس وقت تک نہ ہوگی جب تک آپ پر درود نہ بھیجے۔"

درود پڑھتے رہنے سے زبان ہر وقت پاک رہتی ہے' دل و دماغ کا اللہ کی طرف رجوع رہتا ہے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّد

"اے معبود ہمارے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اور ان کی آلِ اطہر پر رحمتیں اور برکتیں نازل فرما۔"

درود' فی الاصل دعا ہے مگر ہم کس لائق ہیں جو محبوب خدا کے لئے دعا کر سکیں لیکن نبی پاک ﷺ کے لئے امت کی طرف سے اگر کوئی حرفِ دعا ہے تو بس یہی درود ہے۔ درود سے قبولِ دعا کی راہ آسان ہوتی ہے۔

بلاشبہ قرآنی دعاؤں کے علاوہ بعض ایسی دعائیں بھی محکم حیثیت رکھتی ہیں جو تواتر اور مرسلہ روایات کی صحت کے اعتبار سے' تعلیمات پیغمبر کا حصہ ہیں اور جو مسلمانوں کے ہر مسلک و ہر مکتب فکر میں بعینہٖ روایت کی گئی ہیں۔ ایسی مصدقہ اور معتبر دعاؤں میں ایک دعا "تسبیح فاطمہ" بھی ہے۔

تسبیح فاطمہ :

تسبیح کا یہ وظیفہ سنی اور شیعہ دونوں کے ہاں، معتبر کتابوں میں ملتا ہے اور اس بات پر تمام راویان حدیث کا کامل اتفاق ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی بیٹی کو اس وظیفے کی تلقین فرمائی۔ البتہ بعض روایات کے مطابق کلمات کی ترتیب شیعہ ترتیب سے مختلف بھی ملتی ہے۔(ا) چنانچہ بعض دیگر روایات کے مطابق حضور نبی کریم ﷺ نے جناب علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور جناب سیدہ سلام اللہ علیہا دونوں حضرات کو سوتے وقت ۳۳ مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہ، ۳۳ مرتبہ اَلْحَمْدُلِلّٰہ اور ۳۴ مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَر کہنے کی تلقین فرمائی۔(حوالے کے لئے دیکھئے تعلیقات) البتہ جناب ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت کے مطابق اس کی ترتیب میں تسبیح سُبْحَانَ اللّٰہ ۳۳ بار کے بعد ۳۳ بار تکبیر اَللّٰہُ اَکْبَر کہنے اور آخر میں تحمید اَلْحَمْدُلِلّٰہ ۳۳ بار بیان کرنے کا ذکر تھا۔(حوالے کے لئے دیکھئے تعلیقات)

اس موثر دعا کی تعلیم و تشریح کے باب میں کہا جاتا ہے کہ جناب خاتون جنان سیدہ عالم اپنے بابا کے پاس گئیں اور تنگ دستی کی شکایت کی اور امور خانہ داری میں مدد کے لئے ایک کنیز کی خواہش کا اظہار کیا۔ حضرت نے اپنی لاڈلی بیٹی سے کہا: "بیٹی! کیا یہ اچھا نہیں کہ میں تمہیں ایسی دعا بتا دوں جس کے ذریعے تمہاری یہ تکلیفیں دور ہو جائیں۔ تم ہر نماز کے بعد ۳۴ مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَر ۳۳ مرتبہ اَلْحَمْدُلِلّٰہ، اور ۳۳ مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰہ کہو۔ اس تسبیح دعا کے ذریعے تمہاری سب حاجتیں پوری ہو جائیں گی۔

(ا) بحوالہ "تسبیح فاطمہ" طبع سعید ایچ ایم کمپنی کراچی، مصنفہ علامہ فضل احمد عارف

عبادات وظائف کے باب میں عدد و شمار کی کُلّیۃً نفی بھی نہیں کی جا سکتی۔ وظائف اور دعاؤں میں عدد کے شمار کا یہ معاملہ بعض مقامات پر نہایت ضروری عمل کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ تسبیح فاطمہ میں تو خصوصاً ایک خاص عددی ترتیب کے ساتھ الفاظ کی تعلیم دی گئی ہے۔ اَللّٰہُ اَکْبَر (۳۴ مرتبہ)، اَلْحَمْدُ لِلّٰہ (۳۳ مرتبہ)، سُبْحَانَ اللّٰہ (۳۳ مرتبہ) کا ورد حضرت ختمی مرتبت نے اپنی پیاری بیٹی جناب سیدہ زہرا کو تعلیم کیا۔

میں شمار، عدد اور گنتی کے ایسے معاملے پر غور کرتا ہوں تو اس نتیجے پر پہنچتا ہوں جیسے ٹیلی فون کا ڈائل ہمارے سامنے ہے۔ ہم جس قدر بے ترتیب عدد (نمبر) وہاں گھماتے جائیں ہمارا مطلوبہ ہدف (مقصد، شخص مطلوب) ہمیں ہرگز نہیں مل سکے گا تا آنکہ رابطے کا مقرر نمبر (اعداد) ہمیں معلوم ہو جائے۔ یہ عدد یا تو متعلقہ شخص ہمیں بتلائے گا یا کوئی ایسا شخص بتلائے گا جو اس نمبر پر خود بات کرتا رہا ہو اور اس منزل کو بخوبی جانتا ہو۔ تسبیح فاطمہ میں عدد کی یہ ترتیب ۳۴، ۳۳، ۳۳ عبد و معبود کے مابین رابطے کا ایسا ہی نمبر معلوم ہوتی ہے۔ لیکن عموماً اور عادتاً ہاتھ میں تسبیح رکھنا اور اس کے دانے رجوع الی اللہ کے بغیر سہلاً گراتے رہنا، تسبیح و مناجات کی کوئی ایسی صورت نہیں جسے اصول ریاضت، تقویٰ اور خشوع کے اعتبار سے عبادت کہا جا سکے خواہ ایسی ہزارہا تسبیح پڑھ لی جائیں، ان میں رجوع الی اللہ کی کوئی محکم صورت نہیں نظر آتی۔ ایسی تسبیح جس کے دانے چٹکیوں سے گزر کر ایک کے بعد ایک پیہم، تسبیح کے امام تک پہنچ رہے ہوں، یہ عبادت میں شمار کیونکر ہو سکیں گے جب کہ وہ دانے چٹکیوں سے گزارتے وقت آپ معاملات دنیا میں الجھے ہوئے ہوں اور مسائل ہستی کو حل بھی کر رہے ہوں۔

اور یوں بھی اگر تسبیح کو عددی طور پر پڑھا جا رہا ہو تو اس کے لئے خداوند عالم کی ذات کا جو عرفان لازم ہے' وہ اس طرح چلتے پھرتے' گھومتے گھامتے' جلسوں میں بیٹھے اور سیر گاہوں میں سیر کرتے ہوئے ایسی تسبیح خوانی سے وہ عرفان حاصل بھی نہیں ہو سکتا۔

تسبیح پڑھنے والوں' عبادت گزاروں اور دعا کرنے والوں سے روح عبادت یہ تقاضا کرتی ہے کہ وہ تسبیح و تقدیس' مناجات و شکر اور طلب حاجت کی دعاؤں کو محض لفظاً نہ پڑھیں۔ دعائیں وہی مقبول ہو سکتی ہیں جنہیں زبان سے ادا کرتے وقت زبان مغلوب ہو جائے اور دل بولنے لگے اور دل کی یہ پکار یہاں تک بڑھے کہ زبان کی قوت بے معنی ہو کر رہ جائے۔ زبان پیچھے ہٹ جائے اور قلب اس کی جگہ لے کر خود بولنے لگے۔ دھڑکتے' مچلتےاور سرور دعا کی گرمی لذت میں پگھلتے ہوئے ایسے دل سے جب یہ طلب حاجت کی جائے تو اس کا کیف ہی کچھ اور ہو گا۔ یہی وہ کیفیت روحانی ہے جو خدا اور اس کے بندوں کے مابین تمام پردے اٹھا سکتی ہے۔ یہی وہ نکتہ اتصال ہے جہاں مختار اور مجبور باہم مل کر' مختار کی قوت میں یکجا ہو جاتے ہیں اور یہی وہ مقام ہے جس جگہ پہنچ کر دعا کے رد ہونے کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا۔

دعائے استخارہ :

دعا کی ایک قسم "استخارہ" بھی ہے۔ احادیث رسول اور اقوال ائمہ اہل بیت سے استخارے کی اہمیت و تاکید کے واضح اشارے ملتے ہیں۔ ہمارے اسلاف کی سنت بھی یہی رہی ہے کہ انھوں نے ہر مشکل اور تردد کے وقت اللہ

سے طلب خیر کی ہے۔ یقیناً جب کسی معاملے میں ایسی مشکل پیش آئے کہ ہم فیصلہ کرنے میں اپنے آپ کو تذبذب میں پائیں اور کسی اقدام کے نتیجے میں خائف ہوں تو اس کے سوا کوئی اور چارہ باقی نہیں رہتا کہ ہم اپنے پروردگار سے اپنے معاملے میں اُس کی منشاء حاصل کریں، ہرچند کہ یہ معاملہ محض روحانی تسکین سے متعلق ہے۔ استخارے کے ذریعے کسی ایسی رائے کا حاصل ہونا، بالیقین، منشائے خداوندی کا حاصل ہونا نہیں، البتہ طلب خیر کا یہ طریقہ متواتر اور موصول حیثیت سے مسلمانوں میں ہمیشہ سے رائج چلا آتا ہے۔

طریقۂ استخارہ :

بہتر یہ ہے کہ استخارہ جو اپنے لئے ہو، کسی غیر کے ذریعے نہ لیا جائے کیونکہ اپنے معبود سے جو رجوع اپنے معاملے میں ہم خود کر سکیں گے، کوئی دوسرا نہیں کر سکے گا اور سچ بھی یہی ہے کہ ہماری درخواست خود ہماری زبانی ہو تو اس میں روحانی صداقت اور واقعاتی سچائی کو زیادہ سے زیادہ اظہار کا موقعہ ملتا ہے۔

استخارے کے جو مختلف چند طریقے رائج ہیں، ان میں سے ایک معتبر اور آسان طریقہ "ذات الرقاع" ہے۔ اور وہ یوں ہے:

استخارہ لینے والا، پہلے باوضو ہو، سجّادہ بچھائے، بیٹھے اور نیتِ استخارہ کرے۔ نیت سے مراد ہے، جس معاملے میں اپنے پروردگار سے منشاء مانگی گئی ہے، اس کی نیت کرے۔ تین پرچے یوں لکھے، جس میں ہر ایک پر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے بعد یہ عبارت ہو خِيَرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ

لِفُلاَنِ (لِ کے بعد فُلانِ کی جگہ شخص حاجت مند کا نام لکھے) پھر متصل لکھے: اِفْعَلْہُ

تین پرچے یوں لکھے جس میں ہر ایک پر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے بعد خِیَرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ لِفُلَانِ (لِ کے بعد فُلانِ کی جگہ شخص حاجت مند کا نام لکھے) پھر متصل لکھے: لَا تَفْعَلْہُ اس طرح یہ چھ تہہ شدہ پرچے جانماز کے نیچے سجدہ گاہ کے پاس باہم ملا جُلا کر رکھے' پھر دو رکعت نماز نیت استخارہ کے ساتھ پڑھے۔ نماز کو تمام کرنے کے بعد فوراً متصل سجدے میں جائے اور حالت سجدہ میں کہے اَسْتَخِیْرُ اللّٰہَ بِرَحْمَتِہٖ خِیَرَۃً فِیْ عَافِیَۃٍ پھر سجدے سے اٹھ کر بیٹھے' جانماز کے کونے سے دبے ہوئے پرچوں کو ایک بار پھر باہم ملا دے اور ایک ایک کر کے تین پرچے کھولے۔ اگر یہ پے در پے تینوں اِفْعَلْہُ والے ہوں تو کام ضرور کرے اور تینوں لَا تَفْعَلْہُ ہوں تو ہرگز اس کام کو نہ کرے۔ اگر تینوں پرچے ایک سے حکم والے نہ ہوں تو پھر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کہہ کر دو پرچے اور نکالے کہ پانچ ہو جائیں۔ اس طرح پانچ میں سے تین جس حکم والے ہوں' ویسا کرے۔ لیکن بہتر صورت اچھائی کی یہی ہے کہ اِفْعَلْہُ برابر نکلیں۔

خیال رہے کہ بعض لوگ استخارے کو زیادہ سے زیادہ محکم بنانے کے لئے پرچے میں حاجت مند کے نام کے ساتھ اس کی ماں کا نام بھی لکھتے ہیں اور سجدے سے سر اٹھا کر طلب خیر کے لئے دوسری مروّج دعائیں بھی پڑھتے ہیں۔ مگر یہ کچھ ایسا لازم نہیں' کیونکہ استخارے کی کوئی ایک صورت مقرر نہیں۔ یہ تسبیح کے دانوں پر بھی کیا جاتا ہے اور پرچیوں کے ذریعے بھی کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر طریقے بھی رائج ہیں۔ چونکہ استخارے کا طریقہ اور خود

ادائے شکر

ادائے شکر :

مومن کی تلوار اگر دعا ہے تو شکر اس کی ڈھال ہے۔ دعا کا تلوار ہونا ان معنوں میں ہے کہ اس کی قوت سے ہم بے یقینی، اضطراب، بے چینی اور مایوسی کی بلاؤں کے عفریت کو قتل کر سکتے ہیں اور "شکر" کو ڈھال، ان معنوں میں کہا گیا ہے کہ احساس شکر کے ہوتے ہوئے طمانیت قلب پیدا ہوتی ہے اور ہر طرح کے رنج و تعب کو ہم شکر کی ڈھال پر سہہ سکتے ہیں۔

قبول دعا اور کثرت خیر کی منزل تک پہنچنے کا سہل ترین راستہ مقام

شکر سے ہو کر گزرتا ہے' اور شکر کے آسان راستوں میں سے ایک راستہ یہ ہے کہ ہمارے پاس جو کچھ پہلے ہے' اس کا شمار کرتے رہیں۔ جو کچھ نہیں ہے' اس پر غور و فکر کرنے یا اپنی محرومیوں پر رنج کرنے سے بہتر ہے کہ ہمارا ذہن پہلے اُن نعمتوں کو شمار کرے جو ہمیں حاصل ہیں۔ جب ان کا شمار مکمل ہو جائے تب اپنی محرومیوں اور خواہشوں پر متوجہ ہو کر اپنے معبود سے رحمت کے خواہاں ہوں۔ مجھے کامل یقین ہے کہ ان نعمتوں کا شمار اگر مکمل اخلاص' پوری دل جمعی' عاجزی و شکر گزاری کے ساتھ کیا گیا تو اِس کی آخری حد تک پہنچنا کسی بھی بندے کے بس میں نہ ہوگا۔ یہی مقصود قدرت بھی ہے اور اسی کو وہ زیادہ نعمت کا راستہ قرار دیتی ہے۔ گویا محرومیوں کو حاصل میں تبدیل کرنے کے لئے شکر نعمت سے بڑھ کر کوئی اور طریقہ نہیں' چنانچہ ادائے شکر ہی دوسرے معنوں میں قبول دعا کا ایک ایسا یقینی ذریعہ ہے جسے پروردگار نے خود تجویز کیا اور اپنے اقرار کے ذریعے جس کے قبول کی ضمانت بھی دی۔

"شکر" ایک بڑی قوت ہے۔ خداوند عالم نے اس بات کو بہت پسند فرمایا کہ اس کے بندے شکر گزاری کرتے رہیں' اپنی عطائے رحمت کے لئے بندوں کو شکر کی ترغیب بھی دلائی اور کہا کہ بنی اسرائیل میں میری شکر گزاری کرنے والے (میرے بندے) بہت کم تھے' وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ اس لہجے سے صاف پتا چلتا ہے کہ پروردگار کے نزدیک شکر گزاری کی بڑی اہمیت ہے۔ شکر گزاری کی کیا کیا فضیلتیں' کیسے کیسے عمدہ مراتب ہماری شرح دین میں مقرر کئے گئے ہیں اس کا ایک معمولی سا مظہرہ یہ ہے کہ سچی شکر گزاری اگر قبول ہو جائے تو بندے کی ہر خطا معاف ہو سکتی ہے۔ سورہ النساء میں آیا ہے: "اگر تم شکر کرتے رہو تو تمہیں اللہ عذاب دے کر کیا کرے گا۔"

مَا يَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ (النساء : ١٤١)

صفتِ شکر کا کسی ملت سے جاتے رہنا اور اس وصف کا کسی قوم سے اٹھ جانا معبود حقیقی کے لئے ہمیشہ سے نہایت ایک نہایت قابل تاسف معاملہ رہا ہے۔ کئی سابقہ امتوں کے تذکرے میں قدرت نے اسے قابل ذکر شکایت کے طور پر بیان کیا ہے۔

آل داؤد اور نوح علیہ السلام کی امت پر جو عذاب نازل ہوا اس کا ایک موجب ان میں "شکر گزاری" کا نہ ہونا بھی تھا کیونکہ آل داؤد سے قدرت نے بہ طور خاص چاہا تھا کہ وہ شکر گزاری کریں' فرمایا: اِعْمَلُوْا اٰلَ دَاوٗدَ شُکْرًا حضرت نوح علیہ السلام کے اوصافِ شخصی کا ذکر کرتے ہوئے قدرت نے ان کے بارے میں مباہات بھی کی ہے اور کہا ہے: "وہ ہمارا شکر گزار بندہ تھا۔" اِنَّہٗ کَانَ عَبْدًا شَکُوْرًا سورہ الدھر میں انسان کے لئے شکر گزاری کی ایک اور راہ یہ کہہ کر دکھلائی ہے کہ وہ اختیار کفر و شکر رکھتا ہے۔

اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا ہ

"ہم نے انسان کو راستہ دکھلا دیا ہے۔ اب وہ خواہ شکر کرے خواہ کفر۔"

اب ذرا غور کیجئے۔ اس آیت کی رو سے واضحاً کفر کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ شکر گزاری نہ کی جائے۔ گویا انکار نعمت بھی کفر کی ایک صورت ہے۔ اسی لئے یہاں کفر کو شکر کی متضاد صفت کے طور پر بیان کیا ہے۔ چنانچہ علمائے بیان نے سورہ بنی اسرائیل کی آیت وَکَانَ الْاِنْسَانُ کَفُوْرًا کے معانی یہ بتلائے ہیں کہ "انسان ناشکرا ہے۔" پوری آیت کا ترجمہ یوں ہوگا: "اور جب تمہیں دریا میں مصیبت پہنچتی ہے تو تم جنہیں (غیر اللہ کو) پکارتے ہو' وہ کام نہیں آتے' سوائے اس کے جب وہ تمہیں بچا کر خشکی پر لے آتا ہے تو تم

منہ پھیر لیتے ہو اور انسان ناشکرا ہے۔" (آیت: ٦٧) سورہ ابراہیم کی ان آیاتِ شکر سے بھی یہی معانی متبادر ہوتے ہیں۔ ان آیات میں بھی شکر کا متضاد' کفر کو قرار دیا گیا ہے۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِىْ لَشَدِيْدٌ (آیت: ٧)

"اور جب تمہارے رب نے بتلا دیا کہ اگر تم شکر گزاری کرو گے تو میں تمہیں یقیناً زیادہ دوں گا اور اگر (کفر' انکار نعمت) ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بھی سخت ہو گا۔"

سورہ البقرہ میں بھی ایک جگہ انہی معنوں میں شکر کی اہمیت بیان کرتے ہوئے پروردگار نے فرمایا: "اے میرے بندو! تم مجھے یاد رکھو' (میرا ذکر کرو) میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ اور شکر گزاری کرتے رہو اور کفر (ناشکری) اختیار نہ کرو۔"

فَاذْكُرُوْنِىْ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِىْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ (آیت: ١٥٢)

انہی معنوں میں ادائے شکر کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنی آزمائش کی بنیاد بتلایا ہے کہ: "میرا رب مجھے آزماتا ہے آیا میں شکر گزار بنتا ہوں یا ناشکرا۔"

جب وہ جن' تخت بلقیس کو اٹھا لایا تب حضرت سلیمان نے شکر کے طور پر کہا: هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّىْ کہ یہ (اس طرح تخت بلقیس کا آنا) میرے رب کا فضل میرے حال پر ہے وہ مجھے آزماتا ہے آیا میں شکر گزار ہوں یا ناشکرا۔ لِيَبْلُوَنِىْ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ (سورہ النمل : ٤٠) اللہ کی منشا میں شکر نعمت اور احساس شکر کی حکمت کیا ہے۔ سورہ لقمان میں یہ حکمت یوں بیان کی گئی ہے: "جس کسی نے شکر گزاری کی گویا اس نے اپنے آپ کو فائدہ پہنچایا۔" وَمَنْ يَّشْكُرْ

فَاِنَّمَا یَشْكُرُ لِنَفْسِہٖ (سورہ لقمان : ۱۴) اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ شکر گزاری سے خود ہمیں (جیسا کہ قرآن مجید کہتا ہے) کیا فائدہ پہنچتا ہے اور وہ فائدہ کس نوعیت کا ہے اور کیا ہے۔

پہلی بات اس غور و فکر کی سورہ ابراہیم سے ظاہر ہوتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ (بحوالہ آیت مذکورہ) کہ تم شکر گزاری کرو' میں تمہاری حاصل شدہ نعمتوں میں اضافہ کر دوں گا۔ یہ نعمتیں ہیں کیا۔ غور کیجئے: ہماری زندگی ہزارہا نعمتوں سے بھری ہوئی ہے۔ یہ آنکھیں جن سے ہم دیکھتے ہیں' یہ کان جن سے ہم سنتے ہیں' یہ قوتِ جسم و جاں جس پر ہماری زندگی کا دارومدار ہے' یہ سوچنے کی صلاحیت' یہ عقل و فراست' یہ اعضاء کی سلامتی' بدن کی متناسب حالت' یہ چہرے کا فطرت بشر کے مطابق ہونا اور پھر یہ کہ ان میں سے ہر صفت کا کامل ہونا۔ یہ سب باتیں بنیاد شکر فراہم کرتی ہیں' پھر اس شکر کی قدرت و قیمت اور بڑھ جائے گی اگر ہم ذرہ غور کر لیں کہ یہ جو ہمیں خوبیاں (خوشیاں) حاصل ہیں بہت سے بندگان خدا کو حاصل نہیں اور اگر یہ خوبیاں ایسی ہوں جو ہمیں اضافی طور پر دوسروں سے ممتاز و مفتخر بھی کرتی ہوں تو یہ اور زیادہ باعثِ شکر بات ہوگی۔

اس طرح شکر کی بنیاد تلاش کرتے رہئے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ کے پاس بہت کچھ وہ ہے جو دوسروں کے پاس نہیں۔ علم سے آپ بہرہ مند ہیں' مال آپ کے پاس ہے' اولاد کی نعمت سے سرفراز ہیں' اولاد بھی اولاد نرینہ ہے' خاندان ہے' اعزہ و اقرباء ہیں' وسائط و وسائل ہیں' آپ صحت و عافیت سے ہیں' آپ کے متعلقین بہ خیر و خوبی ہیں۔ یہ سب باتیں دعوت شکر دیتی ہیں۔

شکر کے مدارج کیا کیا ہیں اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔ آپ صبح اٹھئے اور گھر کے کونے کونے پر نظر دوڑائیے۔ خود اپنے آپ پر غور کیجئے' آپ شب کو سوئے تھے' صبح ہوئی اٹھ بیٹھے۔ لیکن سوچئے کیا کبھی ایسا بھی ہوا کہ لوگ شب کو سوئے تھے پھر کبھی اٹھ نہیں سکے۔ مگر آپ سلامت اٹھے ہیں۔ آپ کے تمام بچے' عزیز و اقرباء بھی سلامت ہیں۔ شام تک کا رزق وافر آپ کے گھر میں موجود ہے' آج کا کوئی دکھ آپ کے پاس نہیں' کیا یہ سب باتیں شکر کی بنیاد فراہم نہیں کرتیں۔ اک ذرہ سوچئے! آپ برسرروزگار ہیں حالانکہ آپ جیسے بے شمار لوگ روزگار کو ترس رہے ہیں۔ آپ عزت' قرار اور آسودگی کے ساتھ یہ رزق لے رہے ہیں جبکہ نہ معلوم کتنے انسان' آگ اور پگھلتے لوہے کی بھٹیوں پر کھڑے سیال لوہے کو' اوزاروں اور کل پرزوں میں ڈھال رہے ہیں۔ زمین کے سینے پر دھموکے چلا کر آگ دھواں اور دھول اگلتی سڑکوں پر تعمیر کا کام کر رہے ہیں۔ کیا ان سب سختیوں کے مقابل آپ کی حاصل سہولتیں بنیادِ شکر فراہم نہیں کرتیں۔

کیا یہ کچھ کم مقام شکر ہے کہ آپ کو بھرپور نیند آتی ہے' حالانکہ بہت سے ایسے ہیں جو کروٹیں بدل بدل کر صبح کر دیتے ہیں۔ آپ میں نقص جسم ہے آپ کا قد' حلیہ یا حالت ایسی نہیں کہ آپ کو وہ عزت و مرتبہ حاصل ہو جو عموماً ایسی حالت والوں کو حاصل نہیں ہوا کرتا مگر آپ کو وہ بہ فضلِ خدا حاصل ہے۔ آپ یاد کیجئے کہ آپ ماضی میں کیا تھے۔ اور اب کتنی بہتر حالت میں ہیں اور یہ کہ آپ سے اگلے لوگ آپ کے گھرانے کے کیسی پستی میں تھے مگر آپ ان سے بہت آگے نکل آئے ہیں۔

بہت سے گھروں کی بیٹیاں رشتوں کے انتظار میں بوڑھی ہو گئیں۔

آپ کی ہر بیٹی بیاہی گئی۔ اب آپ کو اپنی موت کے بعد کا یہ دھڑکا نہیں رہا کہ آپ کے جگر کے ان ٹکڑوں کو کون سمیٹ کے رکھے گا۔ آپ کے لئے پروردگار کی عطا کا یہ پہلو کیا مقام شکر نہیں۔

بلاشبہ شکر کا یہ پہلو' ان لوگوں پر ظاہر ہو گا جو ان نعمتوں سے سرفراز ہیں اور وہ جو ان نعمتوں سے محروم ہیں' ان کے لئے شکر کی راہ کہاں سے نکلے گی۔

ان انعامات اور عطایا کے حاصل کرنے والوں کو شکر پر آمادگی کے اسباب کی جو یہاں نشاندہی کی گئی' وہی ان لوگوں کے لئے مایوسی' شکست اور عذاب ٹھہرے گی جو اس سے محروم ہیں۔ للہذا اس محروم طبقے کے لئے شکر گزاری کا سامان کیا ہو گا۔

میرے پاس اس کا جواب یہ ہے کہ شکر کے لئے نعمتوں کی کوئی معین و مقرر مقدار نہیں' نہ شکر کی کسی کمیت و کیفیت کا کوئی خارجی پیمانہ ہے۔ ہر شخص کے لئے ہر جگہ نعمت و انعام کے احساس کی راہ کھلی پڑی ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی حالت پر غور کرے' اس کے لئے شکر گزاری کا کوئی نہ کوئی پہلو ضرور سامنے آموجود ہو گا۔

اللہ کے نزدیک شکر گزاری کی بڑی قدر و قیمت ہے۔ وہ خواہاں ہے کہ اس کے بندے شکر گزار بن جائیں۔ پیغمبر اسلام ﷺ زندگی بھر شکر گزاری کرتے رہے۔ اٹھتے' بیٹھتے' چلتے پھرتے' سوتے جاگتے' ناکامی' کامیابی' سرفرازی اور محرومی کے ہر ہر پل میں اپنے پروردگار کا شکر بجالاتے' احساس شکر کے اکثر موقعوں پر گریہ کرتے' عاجزی اور بندگی کی راہ سے سر بسجود ہو کر خاک پر سر رکھ دیتے اور نعمات الٰہی پر شکر گزاری کرتے۔ آپ کی اس حالت کو دیکھ

عمل استخارہ فرض کی حیثیت نہیں رکھتا یہ تو بندے کا ایک اختیاری معاملہ ہے لہٰذا یہ بھی ضروری نہیں کہ پرچی پر لکھے جانے والے الفاظ اور طلب خیر و ہدایت حاصل کرنے والے لفظ بہ زبان عربی ہوں۔ لہٰذا کام کی نیت سے متعلق پرچوں پر اپنی اپنی زبان میں "ہاں" اور "نہیں" بھی لکھا جا سکتا ہے اور دو رکعت نماز پڑھنے کے بعد اپنے معبود سے خود اپنی ہی زبان میں درخواست گزاری کے ساتھ طلب خیر کی جا سکتی ہے۔

استخارہ تسبیح کے دانوں پر بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ باوضو ہو کر (بہتر ہے کہ کسی نماز فرض کے فوراً بعد ہو) نیت استخارہ کرے۔ پھر سورۃ الفاتحہ اور سورہ اِنَّا اَنْزَلْنَا پڑھ کر حاجت کا تصور کرے خواہ اپنے لئے ہو یا غیر کی حاجت کے لئے یہ استخارہ ہو، پھر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم کہہ کر تسبیح کے چند دانوں کو گرفت میں لے کر انہیں شمار کرے۔ اگر وہ طاق آئیں تو کام کرنے کا اشارہ لے اور جفت دانے آئیں تو کام نہ کرنے کا اشارہ لے۔

کر ایک بار آپ کی حرم محترم جناب عائشہ نے فرمایا: "اے اللہ کے رسول! آپ اس قدر عاجزی اور رقت کیوں کرتے ہیں۔" رسول نے فرمایا: اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شَکُوْرًا کیا بندگی کی اس راہ سے میں اپنے رب کا شکر گزار نہ بنوں۔"

پیغمبر اسلام منصب نبوت پر اپنی عملی زندگی سے بہت قبل فائز ہوئے۔ وہ سردار رسل اور خاتم انبیاء من جانب اللہ منتخب ہوئے۔ اعمال خیر کی عظمت' اخلاق و تحیات و عبادات کے سبب ان کی نبوت ہرگز قرار نہیں پائی۔ ان کا یہ منصب ازل سے تھا' وہ تو عالم ظہور میں آنے سے بہت پہلے اس وقت نبی تھے جب ابھی آدم کا خمیر مٹی اور پانی کے درمیان تھا۔ مگر یہ جو شکر گزاری دنیا میں انہوں نے کی' اس سے ان کا شخصی رتبہ اپنے پروردگار کے ہاں اور زیادہ ہو گیا۔ ممکن ہے کہ محبوب رب ذوالمنن وہ اُسی اعتبار سے قرار پائے ہوں کہ انکساری' عفو' رحمت' استغفار' عبادت و خشیت اور شکر میں وہ اس قدر آگے بڑھ آئے جو حد فرائض سے بھی سوا تھی۔ چنانچہ قدرت کو کہنا پڑا: "اے بوریا نشین (چادر والے) ذرہ کچھ کم عبادت کیا کر۔"

حضرت سلیمان علیہ السلام پیغمبر کے واقعات میں بھی ادائے شکر کے کئی لطیف پہلو نکلتے ہیں۔ اللہ کے اس برگزیدہ نبی نے جس قدر شکر گزاری کی' کہا جاتا ہے اسی قدر ان کے اختیار و املاک میں اضافہ ہوتا رہا۔ چنانچہ اس سلسلے میں ان کے شکر نعمت کا ایک واقعہ بہت ہی دلچسپ ہے۔ "وہ جب چیونٹیوں کی بستی سے گزرے تو ایک چیونٹی بولی' اے چیونٹیو! تم اپنے بلوں میں چلی جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان کا لشکر تمہیں کچل ڈالے اور اسے اس کی خبر بھی نہ ہو۔" حضرت سلیمان نے اس چیونٹی کی یہ بات سنی تو خوشی سے مسکرائے

اور کہنے لگے: ''اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری ان نعمتوں کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھے اور میرے ماں باپ کو عطا کیں۔''

مفسرین نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ محل شکر اس بات کو قرار دیا ہے کہ چیونٹی کی اس بات سے وہ محفوظ رہے' اس انجانی زیادتی سے جو ان کے لشکر کے ہاتھوں ننھی چیونٹیوں کو اٹھانا پڑتی۔ بعض نے کہا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے مَنْطِقَ الطَّیْر (کیڑے مکوڑوں اور پرندوں کی زبان) جاننے کو محل شکر جانا۔ بعض کا کہنا یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے لشکر کی کثرت کو محل شکر سمجھا۔ بہرحال اس واقعے سے شکر کی اہمیت کا یہ اندازہ ضرور ہوتا ہے کہ ایسے ایسے برگزیدہ خلائق لوگ بھی بارگاہ رب العزت میں شکر گزاری کے ذریعے اپنے مراتب کی بلندی کے خواہاں رہتے تھے۔

چنانچہ اب دیکھنا یہ ہوگا کہ ہمیں شکر گزاری کیا اور کس کس طرح فائدہ پہنچا سکتی ہے۔ اول تو یہ کہ شکر کے خیالات کی لہریں اور خود اظہار شکر کا عمل' یہ دونوں کیفیتیں کسی بھی دردمند انسان کے لئے اصلاح قلب اور تربیت نفس کا ایک بڑا ذریعہ ہیں۔ عمدہ ادائے شکر کے صلے میں ایک اعلیٰ درجے کی روحانیت قلب میں پیدا ہوتی ہے' یہاں تک کہ باطن اس قدر شفاف آئینہ بن جاتا ہے کہ اِدھر کی دنیا اُدھر صاف دکھائی دینے لگتی ہے۔ زبان' نظر' دل و دماغ' ارادہ اور خواہش میں ایسی پختگی پیدا ہو جاتی ہے جس میں باطل کا گزر کم ہوتے ہوتے بالکل معدوم ہو کر رہ جاتا ہے۔ کہی ہوئی باتیں سچی ثابت ہونے لگتی ہیں' خواب عرفان نفس کا وسیلہ بن جاتے ہیں اور عالم موجود کی بہت سی باتیں انہی خوابوں کے ذریعے منکشف ہوتی ہیں۔ پھر یہی خواب غیر مبہم ہو کر عینیت کا رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔

خواب کے ذریعے اصلاح نفس کا ایک واقعہ :

پرانے زمانے کے لوگوں میں سے کسی ایک بزرگ کے واقعات میں یہ بات سننے میں آئی کہ وہ بزرگ نہایت درجے شکر گزار اور ہمہ دم شکر گزاری کرنے والے لوگوں میں سے تھے۔ انہیں اپنی اس عادت شکر پر مباہات کا احساس ہوا بلکہ اس کثرت شکر نے انہیں اس غلط فہمی میں بھی مبتلا کر دیا کہ دنیا میں اور لوگ بہت کم ایسے شکر گزار ہوں گے جس طرح کہ وہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں مجھے چند بار یہ خیال فاسد آیا تو ایک شب میں نے خواب دیکھا' میں ایک گھر میں داخل ہوا' وہاں سب لوگ سو رہے تھے۔ ایک شخص ان میں سے میری آہٹ سے بیدار ہوا لیکن اٹھا نہیں۔ تقریباً سوتی ہوئی حالت میں تھا' لیکن اس قدر ہوش اسے ضرور تھا کہ آنکھیں اپنے ہاتھوں سے ملتا جاتا اور بڑی دردمندی اور سوز زبان سے بار بار کہتا اے پروردگار میں اس انعام کا مستحق نہ تھا۔ مگر تو نے مجھے بہت نوازا۔ اگر تو یوں نہ نوازتا تو میرے بس میں کیا تھا' جو ایسی نعمتیں خاندان' اولاد' مال' عزت' آسائش اور صحت کی تو نے مجھے دی۔ آہا آہا کیا مزے دار یہ نیند جو تو نے مجھے عطا کی' میں کہیں اور یا کسی اور سے لے سکتا۔ وہ یہی جملے کہتا کہتا پھر سو گیا' پھر اٹھا یہی کہا اور پھر سو گیا۔ پھر میں نے جانا کہ وہ سوتے ہوئے بھی یہی کہہ رہا ہے جو جاگتے میں کہتا رہا۔

وہ بزرگ کہتے ہیں اس خواب نے میری یہ غلط فہمی دور کر دی کہ مجھ جیسے شکر گزاری کرنے والے لوگ اور نہ ہوں گے۔ گویا شکر کا ایک صلہ یہ بھی ہے کہ وہ نفس کو بہت سی آفتوں سے بچاتا ہے اور قلب نظر اور دل و دماغ میں ایسی قوت ڈال دیتا ہے جو ایمان کی سلامتی کے کام آتی رہتی ہے۔ دوسرے

یہ کہ شکر کا صلہ یقیناً اضافہ نعمت ہے کیونکہ یہی پروردگار کا وعدہ ہے مگر یہ کہ طلب، حاجت اور تنگ دامانی اور سختی میں ادائے شکر کیوں کر ہو گا۔

میرے خیال میں یہ سخت مشکل، تنگ دستی اور حاجت مندی کا وقت ہی شکر گزاری کا صحیح مقام ہے کیونکہ ہم ایسی حالت میں قلت کو کثرت اور محرومی کو عطا میں تبدیل کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں۔ لہٰذا اب جو کسی کے پاس تھوڑا ہے وہ اس تھوڑے ہی کو شکر گزاری کا سبب بنا لے اور اس احساس شکر کی اساس کامل صدق و صفا پر قائم کرے۔ سچی خوشی اور مسرت و انبساط کی ایسی روحانی کیفیت کے ساتھ اپنے حاصل پر اقرار نعمت کرے کہ بدن کا رواں رواں اس کیفیت کا شریک حال ہو جائے۔ پھر دیکھئے وہ قلت کس طرح کثرت اور وہ محرومی کس قدر انعام و عطا میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

ایک کامل کا واقعہ جس نے شکر سے حاصل ہونے والے فائدوں سے بھرپور لطف اٹھایا، بیان کرتا ہے: "میرے ہاں کوئی بڑا کاج آن پڑا۔ میں خرچے کے لئے فکر مند ہوا۔ بڑے بڑے انتظام جو ضروری تھے میں نے کر لئے تھے البتہ چھوٹے چھوٹے (جو بظاہر ایسے چھوٹے بھی نہ تھے) کام ابھی کچھ باقی تھے ان پر بھی تیس چالیس ہزار خرچہ نظر آتا تھا۔ میرا یقین بڑھتا جاتا تھا کہ کوئی امداد غیب سے ضرور آئے گی لہٰذا میں اپنے معمول کے مطابق اپنی حاصل شدہ نعمتوں، اموال، اولاد اور صحت پر انتہائی اخلاصِ نیت سے شکر گزاری کرتا رہتا اور یہ شکر انتہائی لذتِ احساس اور عمدہ ذائقہ نفس کے ساتھ بجا لاتا چنانچہ اسی دوران میری کچھ رقم جو کسی کے پاس تھی مجھے ملی۔ یہ رقم کوئی بیس اکیس ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ وہ عارف کہتا ہے یہ رقم جس کا ملنا ہرگز ممکن نہ تھا اور نہ کوئی

اس قدر آسان، مگر ملی تو مجھے یقین ہوا کہ یہ وعدہ پروردگار کا ایفاء ہے۔ میں نے اس اعتماد کو اپنے اوپر طاری ہوتے ہوئے دیکھا تو ایک اور خواہش نے سر اٹھایا اور وہ میرے طریقہ شکر سے کس طرح ہم آہنگ ہوا۔ سنئے!

وہ عارف اس واقعے کو بیان کرتے ہوئے کہتا ہے : "میں نے وہ حاصل شدہ رقم ایک صندوق میں رکھوا دی اور اوپر اس صندوق کے غلاف کپڑے کا ڈالا۔ مجھے تقریب کے خرچے کے لئے جس قدر رقم معمولی درکار ہوتی میں صندوق میں ہاتھ ڈال کر نکال لیتا اور ہر بار جب میری حاجت کے مطابق رقم نکل آتی تو میں کامل خوشی، عاجزی اور صفائے قلب کے ساتھ اپنے پروردگار کا شکر بجالاتا۔ اس شکر کے عمل میں مجھ پر ایک عجیب سی پُرکیف روحانی لذت طاری ہو جاتی۔ پھر اس طرح میں نے اپنا یہ سارا کام کاج اسی شکر کی برکات سے مکمل کر لیا۔"

شکر گزاری کی اس عادت کا یہ صلہ ہر شخص کو مل سکتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ شکر نعمت، اس یقین کے ساتھ ہو کہ احساس شکر کی لذت دل و دماغ پر طاری ہو جائے اور کوئی لمحہ ایسا نہ ہو جس میں نعمت کا تصور آئے اور دل رقت قلب میں مبتلا نہ ہو جائے۔

ایسے بہت سے راستے ہیں جو طریق شکر میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔ آپ ان پر چل کر دیکھئے اور یقین کیجئے کہ وہ یقیناً منزل مقصود تک لے جاتے ہیں۔ طریق شکر کا کوئی واضح تعین تو نہیں کہ شکر اس طرح کیا جائے اور یہ کہا جائے!

احساس شکر ذاتی واردات سے پیدا ہونے والی ناقابل بیان کیفیت کا نام ہے البتہ ہم سے پہلے لوگوں نے جو کچھ اس باب میں کہا ہے اس پ

غور و فکر کرنے سے شکر گزاری کی نئی راہیں اور زیادہ پُر کیف نظر آ سکتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ آپ اپنی ماں، باپ، بیٹی، بیٹے یا کسی بھی جان عزیز کی سخت بیماری، حادثے یا پریشانی کی خبر پاتے ہیں۔ آپ اس کی خبر کے لئے ہسپتال یا جائے حادثہ پر جاتے ہوئے راہ میں اشک بار آنکھوں، آہوں، کپکپاتے ہونٹوں اور لرزتی زبان سے دعائیں کرتے ہوئے گزر رہے ہیں۔ آپ کو منزل پر پہنچ کر رحمت پروردگار سے خبر خیر مل گئی۔ جس کے لب مرگ ہونے کی اطلاع ملی تھی وہ پنجہ اجل سے بچ گیا، پریشانی دور ہو گئی، حادثہ ضرور ہوا لیکن بیٹا، بھائی، باپ، آپ کا وہ عزیز آپ کو زندہ اور محفوظ ملا۔ اس راہ سے گزرتے وقت آپ پر دعا اور طلب رحمت کے جو واقعات پیش آئے اُنہیں ہرگز نہ بھولئے بلکہ اب جو کبھی اس سڑک سے گزریئے تو ادائے شکر کا یہ تقاضا ہونا چاہئے کہ اس سڑک کے ایک ایک قدم پر شکر نعمت کرتے ہوئے گزریئے اور نہایت عاجزی کے ساتھ قلب کی گہرائی میں ان نعمتوں کو محسوس کیجئے جو کبھی اس راستے پر آپ نے مانگی تھیں اور وہ جو آپ کو مل گئیں۔ خیال کیجئے وہ کیسا سخت وقت آپ پر تھا جب اس راستے پر گزرتے ہوئے آپ نے ٹوٹے ہوئے دل اور بھیگی ہوئی آنکھوں سے طلب رحمت کی تھی، جو آپ کو مل گئی حالانکہ اس کے ملنے کا امکان کم تھا بلکہ غور کیجئے تو شاید بالکل نہ تھا۔

ہمارے حال پر ہمارے معبود نے جو جو، اور جب جب مہربانیاں کی ہیں، ان سب کا شمار تو مشکل بلکہ کسی حد تک ناممکن بھی ہے کیونکہ ہمارا بال بال اس کی زنجیر رحمت میں جکڑا ہوا ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ ہم اس کی قریب تر عنایتوں اور اپنے حال پر وارد ظاہر بہ ظاہر نعمتوں کا ہر دم اقرار کرتے رہیں۔ یہ بھی اظہار شکر کا ایک مناسب قرینہ ہے۔ اس پیہم احساس شکر سے وعدہ

پروردگار کے مطابق ہماری حالت کی بہتری اور توفیقات میں یقیناً مزید اضافہ ہوتا رہے گا کیونکہ اس کا وعدہ ہے کہ تم نے شکر گزاری کی تو میں تمہیں برکت دیتا رہوں گا۔ گویا جن چیزوں کے لئے ہم نے اس کا شکر ادا کیا وہ چیزیں بلاشبہ ہمیں حاصل ہوتی رہیں گی۔ یعنی شکر نعمت کا صلہ یہ ہے کہ ہماری نعمتوں میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے گا۔

بعض لوگوں کے خیال میں نماز کی باقاعدہ ادائیگی بھی شکر گزاری کی ایک صورت ہے۔ بے شک نماز مومن کے لئے معراج عمل ہے۔ جو کلمہ گو نماز سے غافل رہا اس نے یقیناً کفران نعمت کیا لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ نماز بجائے خود ایک فرض ہے اور اس فرض کو دین کی پہچان بتلایا گیا ہے لہٰذا نماز کو 'شکر گزاری کا صلہ یا صورت شکر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ نماز تو روزہ' حج' زکوٰۃ' اور جہاد جیسے اہم ارکان دین سے ہے جنہیں بجز شرعی عذر کے بہرحال ادا کرنا لازم ہے۔ چنانچہ یہ کہنا ایسا درست نہیں کہ نماز پہچان ہے اس بات کی کہ کوئی مسلمان اپنے معبود کا کتنا شکر گزار ہے اور آیا وہ نماز پڑھ کر شکر گزاری کرتا ہے۔ شکر فی الاصل اپنی جگہ ایک بالکل الگ عمل ہے۔ میرے ناچیز خیال بں شکر عمل سے زیادہ ایک کیفیت کا نام ہے۔ یہ کیا ہے۔ کیسے پیدا ہوتی ہے اس کی صورت کیا ہے' یہ سب باتیں ناقابل بیان ہیں۔ ممکن ہے یہ کیفیت کبھی اپنے اظہار کے لئے کوئی صورت عمل بھی اختیار کر لے مگر حقیقتاً یہ ایک لطیف ترین روحانی کیف' ایک لذت احساس اور دل و دماغ کی پُرکیف روشنی ہے جو دل و دماغ سے نکل کر انسان کے سارے وجود کو سرور و انبساط میں نہلا دیتی ہے۔ یہی وہ سرور جاں فزا ہے جس کی قوت پرواز سے انسان' زمین کی پستیوں سے اٹھ کر آسمانوں کی بلندی پر اڑنے لگتا ہے۔

ادائے شکر کے بیان میں ایک جگہ حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ثَلَاثٌ لَا یَضُرُّ مَعَهُنَّ شَیْئٌ : اَلدُّعَاءُ عِنْدَ الْکَرْبِ وَالْاِسْتِغْفَارُ عِنْدَ الذَّنْبِ وَالشُّکْرُ عِنْدَ النِّعْمَۃِ "تین چیزوں کے ہوتے ہوئے کوئی شے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ بے چینی کے وقت دعا' گناہ کے بعد توبہ اور نعمت کے وقت اللہ کا شکر۔ (اصول کافی: کتاب الایمان وا لکفر' باب الشکر) اور نعمت کا شکر یہ ہے کہ دل کی گہرائیوں سے حرف شکر ادا کیا جائے' جس کے لئے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن کہنا ہی بڑی سعادت ہے۔ جس نے بڑی سے بڑی نعمت اور چھوٹی سے چھوٹی نعمت پر ہر بار خلوص نیت سے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہا' گویا اس نے اپنے معبود کا شکر ادا کیا۔ حماد بن عثمان جو ابو عبداللہ جناب جعفر صادقؑ سے روایت لینے والا ایک معروف راوی و محدث ہے' بیان کرتا ہے: "ایک مرتبہ حضرت ابو عبداللہ جب مسجد سے باہر آئے تو آپ کا گھوڑا وہاں نہ تھا' آپ نے فرمایا : اگر پروردگار عالم نے میری طرف پھر اسے لوٹایا تو اس (پروردگار) کے شکر کا پورا پورا حق ادا کروں گا۔ لَئِنْ رَدَّھَا اللّٰہُ عَلَیَّ لَاَشْکُرَنَّ اللّٰہَ حَقَّ شُکْرِہٖ حماد بن عثمان کہتا ہے اور جب وہ گھوڑا مل گیا تو امام نے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہ میں نے پوچھا' آپ نے تو فرمایا تھا اپنے رب کا پورا پورا شکر ادا کروں گا۔ فرمایا : کیا تو نے نہیں سنا۔ میں نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہ گویا اقرار نعمت میں دل کی سچی معرفت کے ساتھ لفظ "شکر" ادا کرنا ہی حقِ شکر ادا کرنا ہے۔" (اصول کافی : بحوالہ صدر مذکورہ)

ایسے واقعات سے ان لوگوں کو سبق لینا چاہئے جو یہ کہتے ہیں کہ محض اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ' سُبْحَانَ اللّٰہ یا لفظاً ادائے شکر کرنا' کامل شکر گزاری نہیں۔ شکر گزاری تو نماز پڑھنا' روزہ رکھنا' حج و زکوٰۃ اور خیرات و صدقات کا ادا کرنا

ہے۔ یہ کہنا کسی طور بھی درست نہیں بلکہ یہ کہنا شکر گزاری کے ایک سہل اور موثر راستے کو بند کر دینے کے مترادف ہے۔ یقین کرنا چاہئے کہ احساس شکر ہی دراصل اقرار نعمت ہے۔ جو لوگ نعمتوں کا اقرار کرتے رہتے ہیں گویا ادائے شکر کے سب سے پہلے زینے پر قدم رکھتے ہیں۔ نعمتوں کا دل و دماغ میں لانا اور زبان سے ان کا اقرار کرنا ہی شکر کی سب سے اچھی صورت ہے اور جو نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ کی ادائیگی وغیرہ ہے، وہ تو من جُملہ فرائض ہے۔ شکر ایسے فرائض میں شمار نہیں ہوتا، اختیار و صواب کے زمرے میں آتا ہے۔ مگر یہ ایک ایسا اختیاری اور تصویبی عمل ہے جو اپنی قدر و قیمت کے اعتبار سے کئی دوسرے اعمال کی نسبت بدرجہا اولیٰ و اعلیٰ ہے۔

ادائے شکر، احساس شکر اور شکر گزاری کے طور طریق کو کسی خاص کیفیت و حالت سے مخصوص نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے یہ بھی کچھ لازم نہیں (جس طرح کہ عمل دعا کے لئے لازم نہیں) کہ آپ کسی خاص رخ میں معین انداز و اطوار سے عمل شکر بجا لائیں۔ اگر لازم ہے تو بس یہ کہ اپنے ذہن سے ان نعمتوں کو محو نہ ہونے دیں کیونکہ ان نعمتوں کا آپ کو ملنا (خواہ کسی بھی سطح کی ہوں) آپ کا استحقاق ذاتی نہ تھا۔ وہ پروردگار آپ پر مہربان ہوا اس نے آپ کو محروم نعمت نہ رکھا ورنہ اردگرد نظر دوڑائیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ بہت سے انسان طرح طرح مبتلائے مصیبت ہیں جبکہ آپ محفوظ ہیں اور یہ امتیاز خیر آپ کو کن کن معاملات میں حاصل ہے ان کا شمار کرتے رہئے اور شکر بجا لائیے۔ یہ شکر بجالانا محض احساس کی وہ لہر ہے جس پر کسی جنبش لب اور حرف و صوت کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر آپ کی زبان نہ بھی ہلے، صرف دل کی زبان اور دماغ کی خاموش قوت کلام سے اقرار نعمت کرتے رہیئے یہ بھی عمل

شکر کی لطیف ترین منزل ہوگی۔

بدن سے بول و براز کا بغیر تکلیف خارج ہونا‘ غسل کے لئے سخت ٹھنڈے موسم میں گرم پانی کی سہولت کا حاصل ہونا‘ اعضائے بدن‘ ہاتھ‘ پیر‘ دل و دماغ کا ثابت و سالم ہونا‘ ایک مضبوط چھت کے نیچے ایک غیر شکستہ مکان میں ہونا‘ سردی سے حفاظت کے لئے گرم لباس کا میسر آنا‘ اپنے مکان اور اپنی اولاد کو صحیح حالت میں پانا یہ سب معمولی راحتیں جو ظاہرا طور پر شمار کے قابل بھی نہیں ہوتیں‘ مگر ان کا احساس بھی اقرار نعمت میں شمار ہوگا۔ ان معمولی اور بظاہر عام راحتوں کے اقرار میں بھی ایسی لذت احساس پیدا ہو سکتی ہے جس سے نفس بشر کچھ دیر کے لئے نور باطن کی ایسی موجوں میں بہنے لگے جس کی ہر ہر لہر بدن کو روح میں تحلیل کر دیتی ہو۔ فی الحقیقت یہ شکر کی ایسی کیفیت ہے جو لذت احساس کی انتہا اور روحانی سرور کی بلندی سے پیدا ہوگی۔ یہی کیفیت عروج نفس اور قبول شکر کا پتا دیتی ہے۔ یہ ایک ایسی روحانی سربلندی ہے جو بستر شب پر کیف آور نیند لاتی ہے اور اگر کہیں مسافت میں آجائے تو فاصلوں کو آناً فاناً سمیٹ لیتی ہے۔ اس اقرار نعمت اور شکر نعمت کا وظیفہ کرتے ہوئے اگر آپ کسی مشکل کامیابی کی طلب میں بھی چل کھڑے ہوں تو وہ منزل دشوار بھی سہل کر دیتی ہے۔

جذبات شکر کی سربلندی یہ بھی ہے کہ ہم اِدھر کوئی راحت و نعمت کی خبر پائیں اور اُدھر فوراً ہی سجدہ شکر کے لئے اپنا سر بغیر کسی تردد کے زمین پر رکھ دیں۔ اس عالم میں یہ خیال یکسر محو ہو جائے کہ یہ جگہ کون سی ہے اور ماحول کیا ہے۔ عرفاء کے نزدیک خبر مسرت اور سجدہ شکر کے درمیان کوئی فصل حائل نہیں چاہئے۔ ان کے ہاں کمال شکر یہ ہے کہ اِدھر خوشی (خبر اور نعمت) حاصل ہو

اور اُدھر سجدے کے لئے سرزمین پر جھک جائے۔

اقرار نعمت کے لئے یہ سجدہ گزاری کس قدر اہمیت رکھتی ہے' اصول کافی کے باب شکر میں' عثمان بن عیسیٰ بہ روایت متصل' حضرت ابو عبداللہ جعفر صادقؑ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ختمی مرتبت ﷺ ایک مرتبہ راہ سفر میں تھے۔ یکایک آپ اونٹ سے اترے اور زمین پر پانچ مرتبہ سر اپنا بصورت سجدہ رکھا۔ پھر سوار ہو کر چلنے لگے تو لوگوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے پہلے ایسا کبھی نہ کیا۔ آپ ﷺ بولے: ہاں۔ اس وقت جبرئیل علیہ السلام نے مجھے پانچ ایسی نعمتوں کی بشارت دی ہے۔ ان بشارتوں پر میں سجدہ شکر بجا لایا۔ عثمان بن عیسیٰ کی اس روایت میں ملتا ہے کہ امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: "جب تم میں سے کوئی اقرار کرے خدا کی نعمت کا تو اپنا ماتھا مٹی پر رکھے۔ اگر سوار ہو' اور احساس شکر کی لہر آئے تو سواری سے اتر پڑے اور زمین پر سر رکھے۔ اگر کسی سبب سے یہ ممکن نہ ہو تو ایسا قرینہ اختیار کرے جو سجدہ شکر کے مانند ہو' خواہ اپنی ہتھیلی پر اپنا سر جھکا لے۔"

بندگی' شکر نعمت اور سجدہ گزاری کے اس حال میں ایسی ہی ایک روایت امام موسیٰ کاظمؑ کے واقعات سفر میں ملتی ہے: چنانچہ ہشام بن احمر' محدث بیان کرتا ہے کہ وہ ایک سفر میں جناب موسیٰ کاظم کے ساتھ تھا' کہ یکایک آپؑ نے اپنے پاؤں سواری سے نکالے اور زمین پر اتر کر سجدے میں گر گئے۔ بڑی دیر تک اسی حالت میں رہے' پھر سر اٹھایا اور سوار ہو گئے۔ میں نے پوچھا: اس قدر طویل سجدے کا سبب کیا تھا۔ امام نے فرمایا' مجھے اپنے اوپر اپنے معبود کی ایک مہربانی یاد آ گئی [illegible] نے چاہا کہ اپنے معبود کا شکر بجا لاؤں۔ (بحوالہ اصول کافی: باب شکر)

ایسے شکر کی قدروقیمت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ شکر گزار بندوں میں ذات خداوندی پر اعتماد زیادہ کامل ہوتا جاتا ہے' پھر ایک گھڑی وہ آتی ہے جب عبد اپنے معبود سے ازراہ ناز' مخاطب ہونے لگتا ہے۔ پھر تنہائی میں اعتماد و یقین کی ایسی ایسی کیفیتوں سے گزرتا ہے جس کا تصور بھی بے نصیب انسان کو شاید ممکن نہ ہو۔ اگر درمیان شب کہیں آنکھ کھل جائے اور یونہی معمول کی سانسیں لیتے وقت پروردگار کی یہ دعوت (شکر سے نعمت میں اضافہ کا وعدہ) یاد آجائے تب ہر ایک سانس پر سچے اطمینان اور بندگی کے جذبات سے معمور ہو کر اس طرح شکر کرتا ہے کہ اے معبود میرے! شکر ہے تیرا کہ میں تیری دی ہوئی برکت سے یہ سانس لے رہا ہوں۔

کیا یہ بعید ہے کہ آپ اپنے پروردگار کا وعدہ یاد رکھیں اور وہ خود یاد نہ رکھے۔ کیا یہ وعدہ ہم انسانوں کا وعدہ ہے۔ یقین کیجئے ہر سانس کی آمد و شد پر اس شکر کا صلہ کم سے کم یہ ہو گا کہ اگر اس شکر کے صلے میں زندگی مطلوب ہے اِلّا کہ وہ قضا و قدر سے مخصوص نہ ہو' تو عرصہ زندگی بڑھ جائے گا۔

ایک صاحب کمال شخص کی واردات ذاتی :

ایک صاحب کمال جسے قلب مطمئن بھی حاصل تھا' کہتا ہے:

"میری تمام زندگی اطمینان قلب اور شکر گزاری میں گزری۔ زندگی کا کوئی سفر' کوئی منزل' کوئی شب ایسی نہ تھی کہ میں لذت شکر سے بے نصیب رہا ہوں۔ شکر گزاری سے مجھے ایسا لطف آتا کہ اس کے بیان سے عاجز ہوں۔ پھر کبھی یوں بھی ہوتا کہ میرا کوئی ضروری کام کہیں اٹک جاتا' نہ ہوتا یا مجھے دوسروں کے

آگے اپنی کسی ناکامی پر ندامت اٹھانا پڑتی تو میں اپنے پروردگار سے راز و نیاز کے لہجے میں قلب شکستہ اور چشم گریہ کناں کے ساتھ بار بار یہ کہتا اے ظاہر و باطن کو جاننے والے میرے رب! تو دلوں کا حال خوب جاننے والا ہے۔ کیا میری شکر گزاری کا یہی صلہ ہے جو مجھے میری ناکامی کی صورت میں ملا۔ اے مہربان رب میرے! مجھ میں جذبہ شکر کی توفیقات کو بڑھا' کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا کمزور نفس اور میرے ضمیر کی ناپختہ حالت شیطانی وسوسوں سے مغلوب ہو جائے اور تیرے وعدوں پر میرے اعتماد میں کمی آنے لگے۔ میرے شکر کو میری توفیقات میں اضافے کا باعث بنا۔ تو نے جو وعدہ کیا ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ اس وعدے کے مطابق میرا اصل زر مع منافع کے لوٹا دے کہ یہی وقت میری ضرورت کا ہے کہ یہی تیرا وعدہ تھا۔"

وہ صاحب کمال شخص بتلاتا ہے کہ میں یہ باتیں نازونیاز کی اس قدر لجاجت' پیار' رقت اور اعتماد سے کرتا کہ میرے رکے ہوئے تمام کام چل پڑتے اور میری مرادیں بر آتیں۔

اس باب میں یہاں تک جو کچھ بیان کیا گیا' یہ سب شکر کی فضیلتیں اور ادائے شکر کے طور طریق تھے' لیکن یقین کرنا چاہئے کہ شکر کی صرف یہی فضیلتیں اور ادائے شکر کے بس یہی طور نہیں۔ نفس انسانی کا ایک بے حدو بے حساب عالم ہے جو طرح طرح کی کیفیتوں اور قلب کی مختلف حالتوں سے عبارت ہے۔ کوئی شخص بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ احساس نعمت اور اقرار کی کیسی کیسی حالتوں سے انسان گزر سکتا ہے' البتہ یہ ضرور ہے کہ جیسی جیسی واردات قلب اس پر گزرتی ہیں' وہ اسے اپنی ذات کے حوالے سے دوسروں پر مثالاً صادق کر

سکتا ہے۔ لہٰذا اہل اللہ ' صوفیاء اور اہل عرفان نے اس ذیل میں جو کچھ کہا اور اس سے جو نتائج اخذ کئے ان کا دوسروں کے لئے بھی مسلمہ طور پر من و عن ایسا ہی ہونا لازم نہیں آتا جیسا کہ انہیں بیان کیا گیا۔

ہاں اتنا ضرور ہے کہ شکر گزاری کے لطیف عمل سے انسانی معاشرت میں اصلاح احوال کا راستہ کھلتا ہے۔ خداوند عالم کی شکر گزاری کرنے والا شخص بندوں کا احسان مند ہونا سیکھتا ہے کیونکہ جو شخص بندوں کے چھوٹے احسانات کا وزن نہیں کر سکتا وہ اپنے پروردگار کی بڑی بڑی عنایتوں اور اس کی رحمتوں کا اندازہ کیونکر کر سکے گا۔

ایک حدیث مبارکہ میں بھی یہی بات کہی گئی ہے۔ زیادہ شکر گزار لوگوں میں جو ہے وہی خدا کا شکر گزار سب سے زیادہ ہے۔ اَشْکَرُ النَّاسِ لِلّٰہِ اَشْکَرُھُمْ لِلنَّاسِ

خدا خوفی' نیک دلی' ضبط نفس' پاکیزگی' بندگی و اطاعت اور صبر و ضبط جو نفس بشر کی روحانی سربلندی کی اصل و اساس ہیں یہی زہد و ورع ہے' اسی کا نام تقویٰ ہے اور یہ کہ شکر نعمت کے بغیر تقوےٰ کی ہرگز تکمیل نہیں ہوتی۔

حکمت اسلامی کے رہبر' باب مدینۃ العلم حضرت علی ابن ابی طالب اپنے خطبات میں ایک جگہ فرماتے ہیں: "اے لوگو! امیدوں کو کم کرنا اور نعمتوں پر شکر ادا کرنا زہد و تقویٰ ہے۔ دیکھو اگر دامن امید کو سمیٹنا کبھی مشکل ہو جائے تو اتنا تو ضرور کرنا کہ اپنے صبر پر حرام کو غالب نہ آنے دینا۔ نعمتوں کے وقت اس کے شکر کو بھول نہ جانا۔" اَیُّھَا النَّاسُ اَلزَّھَادَۃُ قَصْرُ الْاَ مَلِ وَالشُّکْرُ عِنْدَالنِّعَمِ فَاِنْ عَزُبَ ذَالِکَ عَنْکُمْ فَلَا یَغْلِبُ الْحَرَامُ صَبْرَکُمْ وَلَا

تَنْسَوْا عِنْدَ النِّعَمِ شُكْرَكُمْ (خطبہ نہج البلاغہ ۷۹' امامیہ کتب خانہ' موچی دروازہ۔ لاہور)

عادت شکر سے انسان کی فطرت پہ نہ سہی' اس کے عادات و اعمال پر یقیناً اچھا اثر پڑتا ہے۔ حق شناسی' نرم خوئی' مروت' دردمندی' عاجزی' بے آزاری' ایثار و انصاف جیسے اعلیٰ انسانی اوصاف اس میں پیدا ہونے لگتے ہیں۔ نفس انسانی کی یہی وہ خوبیاں ہیں جب کسی بندے میں پیدا ہو جائیں' رضائے الٰہی کو اپنی طرف ملتفت کرتی اور مرضیِ مولا کا سبب بن جاتی ہیں۔ اس جہت میں جیسا جیسا کمال بندے کو حاصل ہوتا جاتا ہے ویسے ہی ویسے اس کی دعا میں قوت اور طلب میں تاثیرِ قبول بڑھتی جاتی ہے۔

تعلیقات

جن امور میں دعا نہ کرنی چاہیے

ادعیہ ماثورہ' استخارہ'

تسبیح' تسبیح فاطمہ' مسئلہ بدا

جن امور میں دعا نہ کرنی چاہئے :

دعا کا حکم صرف انہی باتوں کے بارے میں دیا گیا ہے اور طلب کی راہ بس ایسے ہی امور کے لئے دکھلائی گئی ہے جن کا ہونا ممکن ہے اور جن کا حاصل کرنا انسان کا حق بھی ہے۔ البتہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہم کسی معاملہ دعا میں اپنا حق سمجھ رہے ہوں مگرفی الحقیقت وہ ہمارا حق نہ ہو لہٰذا ایسے امور ضابطہ دعا کی خلاف ورزی میں شمار نہیں ہوں گے البتہ ان کا قبول نہ ہونا ہی ہمارے استحقاق کی نفی ثابت ہوگا جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ دعا میں صادر ہوا۔ انہوں نے، جب سخت طوفان آیا تو اپنے بیٹے کو بچانے اور طوفان سے امان دینے کی اپنے پروردگار سے دعا کی، تب قدرت نے کہا اے نوح! یہ بیٹا تیرے اہل سے نہیں کیونکہ یہ بد عمل ہے۔ تو مجھ سے اس کی امان کے لئے نہ کہہ اور ایسا سوال نہ کر جس کا تجھے علم نہیں۔

فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنِّيْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ

تب حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا: اے میرے رب! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ تجھ سے ایسا سوال کروں جس کے استحقاق کا مجھے علم نہیں۔

(سورہ ھود : ۴۶۔۴۷)

یہاں یہ جو کہا گیا کہ ایسا سوال نہ کر (ایسی دعا نہ کر) جس کا تجھے علم نہیں، اس سے واضح مراد یہ ہے کہ دعا صرف ان امور میں کرنی چاہئے جن کے حاصل ہونے کا امکان نظر آتا ہو، گویا ان کا حاصل ہونا ممکنات سے ہو ایسا نہ ہو کہ ایک شخص پاکستان میں بیٹھے ہوئے دعا کرے کہ وہ انگلستان کا بادشاہ ہو

جائے' یا ایک عورت چاہے کہ وہ مرد بن جائے یا ایک کافر کی موت پر اس کی بخشش و مغفرت کے لئے دعا کی جائے جبکہ اس کا اختیار عمل اور رجوع توحید کی صلاحیت موت نے ختم کر دی ہو۔ یہ سب ایسی دعائیں ہیں جن کے نہ مانگے جانے کی خبر احادیث و قرآن سے ثابت ہوتی ہے۔

ماثورہ دعائیں :

بعض دعائیں جو قرآن مجید میں ہیں' انہیں اَدْعِیَۃُ الْقُرْآن کہا جاتا ہے اور جو دعائیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا دیگر بزرگوں سے' نسل بعد نسل عہد بہ عہد نقل ہوتی ہوئی ہمارے زمانے تک آ پہنچی ہیں' انہیں ماثورہ دعائیں (ادعیہ ماثورہ) کہا گیا ہے۔ یہ سینکڑوں ایسی دعائیں ہیں جن کا تعلق ہماری زندگی کے پیش آمدہ واقعات سے ہے۔ یہی سبب ہے کہ دعاؤں کے ایسے بہت سے مجموعے شیعہ اور سنی مسلمانوں کے ہاں بہ کثرت ملتے ہیں جن میں ان دعاؤں کی اہمیت و افادیت بیان کی گئی ہے۔ بالخصوص صوفیہ اور صاحبان ذکر نے ماثورہ دعاؤں کی تاثیر کے حوالے سے بہت کچھ لکھا ہے۔ ماثورہ اور مسنونہ دعاؤں کے حوالے سے اس بات پر بھی بحث کی گئی ہے آیا دعا کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہاتھ اٹھائے جائیں اور کیا دعا کے لئے کلام بھی ضروری ہے۔ کیا دعا کے شروع میں حمد باری تعالیٰ اور خاتمے پر نبی و آل نبی پر درود پڑھنا اور قبلہ رخ اور باوضو ہونا بھی لازم ہے۔ یہ اور اس طرح کے کئی دیگر مباحث ادعیہ ماثورہ کے ذکر میں ملتے ہیں۔

استخارہ :

جامع عباسی کے حواشی پر، مرزا محمد شفیع اعلی اللہ مقامہ نے ذات الرقاع، استخارے کے بیان کے بارے میں یوں لکھا ہے :

دعائے استخارہ فعل حرام کے واسطے جائز نہیں۔ کتاب کافی میں ہے جس شخص کو استخارہ مطلوب ہو وہ چھے رقعے اس طرح پر لکھے۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ تحریر کرکے اپنا نام اور اپنی ماں کا نام لکھے، پھر چھے رقعوں پر یہ لکھنے کے بعد ان میں سے تین پر افعلہ اور تین پر لا تفعلہ لکھے اور سب کو ملا کر جاء نماز کے کونے کے نیچے رکھ دے۔ بعد اس کے دو رکعت نماز بجا لائے۔ بعد فراغت نماز کے، سجدے میں جائے اور نیت طلب خیر کی کرے۔ پھر سجدے سے سر اٹھا کر، ان رقعوں کو ایک ایک کر کے نکالے، تین رقعے نکال لے تو دیکھے کہ کیا لکھا ہے۔ اگر تینوں پر یکساں حکم ہو، تو حکم سمجھ کر عمل کرے یعنی اِفْعَلْہُ (کام کرو) لکھا ہو تو کام کرے اور اگر لَا تَفْعَلْہُ (نہ کرو) لکھا ہو تو کام نہ کرے۔

اگر دو پر کرنے کا حکم ہو اور ایک پر نہ کرنے کا ہو یا بالعکس ہو تو مناسب یہ ہے کہ اب اور رقعے پانچ تک نکالے۔ بعد اس کے ان رقعوں کو دیکھے پس جس حکم کے تین رقعے ہوں اس پر عمل کرے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس حکم کے زیادہ رقعے ہوں اس پر عمل کرے۔ (جامع عباسی پنج بابی، بہاء الدین عاملی باب ۵۔ فصل دوم، نول کشور لکھنؤ ۱۸۸۸ء ص ۱۶۸)

تسبیح :

احسان فاطمہ ہے۔

تسبیح، جو آج ہمارے ہاں رائج ہے، ابتدائے اسلام میں اس کی شکل من و عن ایسی نہ تھی۔ پہلے پہل ذکر الٰہی اور شمار تسبیح کے لئے کھجور کی گٹھلیوں اور گرہ دار دھاگوں کو استعمال میں لایا جاتا تھا۔ گرہ دار دھاگے یہ تھے کہ ایک بڑے سے ڈورے میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر گانٹھیں لگا لی جاتیں۔ طبقات ابن سعد میں لکھا ہے کہ جناب فاطمہ بنت الحسین تسبیح و تحمید کے لئے ایسے ہی ڈورے کو استعمال کیا کرتی تھیں، لیکن تسبیح و تقدیس الٰہی کے لئے یہ کچھ ضروری نہیں کہ منکوں اور خاک کے دانوں والی یہی رواجی تسبیح ہو۔ بعض روایات میں ملتا ہے کہ پہلے دور کے مسلمان انگلیوں پر بھی شمار تسبیح کرتے کہ یوں انگلیاں اور ان کے پورے (پورے) بھی شامل عبادت ہو جاتے ہیں، اس طرح جو ہمارے اعمال کی گواہی ہمارے اعضاء دیں گے ان گواہوں میں زیادہ سے زیادہ اضافہ بھی ہوتا رہے گا۔

تسبیح کی موجودہ صورت پر عرفاء اہل سلوک اور علماء نے بحث کرتے ہوئے، اسے خداوند عالم کے ننانوے ناموں کی نسبت قرار دیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ مروجہ تسبیح اس وقت وجود میں آئی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تسبیح فاطمہ تعلیم دی۔ گویا مسلمانوں کے ہاتھ کی یہ تسبیح بھی احسان فاطمہ ہے۔

تسبیح فاطمہ

جامع عباسی، شیخ بہاء الدین عاملی کے حاشیے پر تسبیح فاطمہ کے ذیل میں کہا گیا ہے کہ یہ دعا ہر نماز روزانہ کے بعد ایک بار پڑھ لینا، ہزار رکعت نماز سے بہتر ہے۔ اس کا رات کو سوتے وقت پڑھنا بہترین دعا ہے اور اس تسبیح کے آخر میں ایک مرتبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہنا سنت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔

تسبیح جناب فاطمہ صلوٰۃ اللہ علیھا را بخواند کہ آن بہترین تعقیبات است، حتی آنکہ منقول است کہ تسبیح آں حضرت را بعد از ہر نماز خواندن بہتر است از آنکہ ہر روز ہزار رکعت بکند۔ و کیفیت آں ایں است کہ اول سی و چہار (۳۴) مرتبہ "اَللّٰہُ اَکْبَر" پس سی و سہ (۳۳) مرتبہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" بگوید پس سی و سہ (۳۳) مرتبہ "سُبْحَانَ اللّٰہ" بگوید۔ و سنت است کہ بعد از ایں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ یک مرتبہ بگوید۔ ایں تسبیح را در وقت خواب خواندن نیز ثواب بسیار دارد (جامع عباسی باب ۲ ص ۷۱، ۷۲ طبع نول کشور ۱۸۸۸ء)

بدا(بروزن سما : بَ دَ ا ء)

اس لفظ کے معانی لغت میں کئی طرح آتے ہیں:

۱۔ ظاہر ہونا۔

۲۔ کسی نئی رائے کا پیدا ہونا۔

۳۔ کسی ایسی بات کا خیال میں آنا جو اس سے پہلے نہ آئی ہو۔

۴۔ لیکن فقہی اصطلاح میں اس کے معانی ہیں، باری تعالیٰ کا ایسا حکم اور ارادہ جو اپنے پہلے حکم اور ارادے سے مختلف ہو۔

علم کلام کی رو سے بدا کے معانی ہیں، پروردگار کے ایسے احکام و افعال کا ظہور میں آنا جو کسی مصلحت کے تحت، اس سے قبل پوشیدہ تھے۔ مگر ان کے ظہور پذیر ہونے کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو تھا۔

اصول کافی میں ہے کہ جناب امیر نے ایک جگہ (بحوالہ کتاب صافی: شرع اصول کافی: از ملا شیرازی: بمبئی ص ۱۱۰) مشیت اور ارادہ الٰہی پر بحث کرتے ہوئے فرمایا: مخلوق کا ارادہ یہ ہے کہ دل میں کوئی خیال پیدا ہو اور پھر وہ عمل میں ائے، مگر خالق (اللہ تعالیٰ) کا ارادہ صرف فعل کا ظاہر ہونا ہے۔ گویا خداوند عالم نے اپنے بعض افعال و احکام متعین (مبرم) نہیں رکھے ہیں۔ وہ جس وقت اور جیسا چاہے اپنا حکم ظاہر کر سکتا ہے یعنی کچھ امور ایسے ہیں جنہیں اس نے مقدر نہیں کیا ہے یا انہیں مشروط و معلق کر دیا ہے۔ اس طرح تقدیر کی دو قسمیں قرار پاتی ہیں : مقدر جو اٹل ہے، دوسری معلق جو مشروط ہے اور جس میں تبدیلی ممکن ہے۔ دعا اور دوا کا تعلق بھی اصول بداء کے تحت، ایسے ہی امور سے ہے جو معلق و مشروط ہیں۔

اگر سب کچھ تقدیر میں اٹل ہوتا تو پھر دعا مانگنے اور تدبیر کرنے کی ضرورت کیا تھی اور اس کے لئے پروردگار اپنی مخلوق کو حکم کیوں دیتا۔

حضرت یونس علیہ السلام کے معاملے کو بھی اسی اصول بداء کے اعتبار سے دیکھنا ہوگا کیونکہ امر خداوندی کے تحت ہی مچھلی نے انہیں نگلا تھا اور یہی اول حکم الٰہی تھا مگر حضرت یونس علیہ السلام نے تسبیح و مناجات، استغفار و الحاح کے ذریعے اس قید سے نجات حاصل کرلی لہٰذا یہ واقعہ پہلے حکم سے مختلف ہوا کیونکہ قرآن مجید کا ارشاد ہے :

فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ۙ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۝ (سورہ الصّافات : ۱۴۳-۱۴۴)

ترجمہ: ”اگر وہ (یونس) تسبیح و مناجات نہ کرتا تو قیامت تک مچھلی کے پیٹ میں پڑا رہتا۔“ یہی تقدیر معلق ہے اور اسی بحث کو متکلمین نے اصول بدا سے تعبیر کیا ہے۔

تصانیف

ڈاکٹر اسد اریب

۱۔ اردو میں بچوں کا ادب	(تحقیقی مقالہ : پی ایچ' ڈی ۔ پنجاب)
۲۔ بچوں کا ادب	(تاریخ و تنقید : رائٹرز گلڈ ادبی ایوارڈ ۸۳)
۳۔ الف سے ی تک	(بچوں کے ادب کا عہد بہ عہد جائزہ)
۴۔ نئے رجحانات: بچوں کے ادب میں	(بچوں کے نئے ادب کا تجزیہ)
۵۔ نقد انیس	(میر انیس کے محاسن کلام پر تنقیدی نظر)
۶۔ اردو مرثیے کی سرگزشت	(اردو مرثیے کے عہد بہ عہد اسالیب کا جائزہ)
۷۔ زمانہ سفر میں ہے	(مصنف کے عالم سفر کی روداد)
۸۔ کانٹوں پر زبان	(تنقیدی و تحقیقی مضامین کا مجموعہ)
۹۔ مسئلہ تقلید	(فکر مذہب کے حوالہ سے)
۱۰۔ ارشاد الاریب	(تاریخ فرق کا ایک پہلو فرق الشیعہ)
۱۱۔ حرف دعا	(تاثیر طلب اور قبول دعا پر مباحث)

مذہبی موضوعات پر مصنف کی تحقیقی اور منفرد اسلوب کی فکر انگیز کتابیں:

۱۔ مسئلہ تقلید

۲۔ ارشاد الاریب (فرق الشیعہ)

۳۔ حرف دعا

تصانیف

ڈاکٹر اسد اریب

۱۔ اردو میں بچوں کا ادب (تحقیقی مقالہ: پی ایچ' ڈی۔ پنجاب)

۲۔ بچوں کا ادب (تاریخ و تنقید: رائٹرز گلڈ ادبی ایوارڈ ۸۳

۳۔ الف سے ی تک (بچوں کے ادب کا عہد بہ عہد جائزہ)

۴۔ نئے رجحانات: بچوں کے ادب میں (بچوں کے نئے ادب کا تجزیہ

۵۔ نقد انیس (میرانیس کے محاسن کلام پر تنقیدی نظر)

۶۔ اردو مرثیے کی سرگزشت (اردو مرثیے کے عہد بہ عہد اسالیب کا جائزہ)

۷۔ زمانہ سفر میں ہے (مصنف کے عالم سفر کی روداد)

۸۔ کانٹوں پر زبان (تنقیدی و تحقیقی مضامین کا مجموعہ)

۹۔ مسئلہ تقلید (فکر مذہب کے حوالہ سے)

۱۰۔ ارشاد الاریب (تاریخ فرق کا ایک پہلو فرق الشیعہ)

۱۱۔ حرف دعا (تاثیر طلب اور قبول دعا پر مباحث)

مذہبی موضوعات پر مصنف کی تحقیقی اور منفرد اسلوب کی فکر انگیز کتابیں:

۱۔ مسئلہ تقلید

۲۔ ارشاد الاریب (فرق الشیعہ)

۳۔ حرف دعا